دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنا

دارالعلوم

جلد | ربیع الثانی ھ مطا ا یل ء | شمارہ

نگراں

حضرت مولا غوب الرحمٰن صا

مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر

حضرت مولا حبیب الرحمٰن صا

ا ذ دارالعلوم دیوبند

سیل زر کا پتہ: دفتر ماہنا دارالعلوم دیوبند- ۲۴۷۵۵۴

ہندو ان سے فی شمارہ- روپئے، سالا - روپئے

دی عرب، افریقہ، طا ، ا یکہ، ڈاو ہ سے سالا - روپئے

بنگلہ دیش سے سالا - روپئے ، کستان سے ہندو نی رقم- روپئے

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Mob. : 09411649303 *(Manager)*
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

R. N. I. No. 2133/57

DARUL ULOOM Monthly (Urdu) Printed, Published by Maulana Marghubur Rahman,
Owned by Darul Uloom Grush. Published From Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at Darul Uloom Printing Press Deoband, Saharanpur
Editor : Maulana Habibur Rahman Azmi

فہرست مضامین

- یہاں اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔
- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے۔ اس لیے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات جناب مولانا شیر محمد صاحب ناظم جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

آزادئ مذہب – ایک بنیادی حق ہے

حبیب الرحمن اعظمی

دین و مذہب کی آزادی انسان کے بنیادی حقوق میں سے ایک ہے جنھیں انسانیت کا فطری خاصہ مانا جاتا ہے، اور ہر مہذب حکومت نے انسان کے اس فطری حق کا پاس ولحاظ رکھا ہے، خود ہمارے ملک میں جو مختلف افکار و مذاہب اور تہذیب و ثقافت کا گہوارہ ہے شخصی عہد سلطنت میں مذہبی آزادی کی کس قدر پاسداری کی جاتی تھی اس کا اندازہ بھارت کے "انگریزی راج" کے مصنف پنڈت سندرلال الہ آبادی کے اس بیان سے کیا جاسکتا ہے۔

عہد مغلیہ میں مذہبی آزادی پر گفتگو کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

"اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اور ان کے بعد اورنگ زیب کے تمام جانشینوں کے زمانہ میں ہندو مسلم یکساں رہتے تھے۔ دونوں مذاہب کی یکساں توقیر کی جاتی تھی، اور مذہب کیلئے کسی کے ساتھ کسی قسم کی جانبداری نہیں کی جاتی تھی۔" (روشن مستقبل ص)

مذاہبِ عالم کی تاریخ اور واقعات و مشاہدات سے پتہ چلتا ہے کہ آزادئ مذہب کا مسئلہ اس درجہ نازک اور حساس ہے کہ جب بھی کسی حاکم یا حکومت کی جانب سے اس پر قدغن لگانے کی ناشریفانہ کوشش کی گئی ہے تو عوام نے اسے برداشت نہیں کیا ہے۔ بلکہ اکثر حالات میں حکومت کا یہی بیجا رویہ بغاوت اور انقلاب کا پیش خیمہ بن گیا ہے۔ آزادئ ہند کی تاریخ کا ایک معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ برطانوی حکومت کے خلاف ء کی تاریخی بغاوت کا اہم ترین محرک مسلمانوں اور ہندوؤں کا یہ احساس تھا کہ ان کے مذہب میں رخنہ اندازی اور اسے خراب کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ جنگ آزادی کے مشہور مجاہد اور عظیم رہنما مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک

موقع حکومت طا کو طب کرتے ہوئے کہا تھا

”اسلام کے احکام کوئی راز جن تک گورنمنٹ کی رسائی ہو وہ چھپی ہوئی کتابوں میں ہیں اور مدرسوں کے ہر روز اس کا درس دیتے ہیں۔ گورنمنٹ کو چاہئے کہ صرف اس بات کی جانچ کرے کہ واقعی اسلام کے شرعی احکام ہیں یا اگر یہ ہوجائے کہ ایسا ہی ہے تو پھر صرف دو ہی راہیں گورنمنٹ کے سامنے ہونی چاہئیں یا مسلمانوں کے لئے ان کے مذہب کو چھوڑ دے اور کوئی ایسی بات کرے جس سے ان کے مذہب میں مداخلت ہو یا پھر اعلان کردے کہ حکومت کو مسلمانوں کے مذہبی احکام کی کوئی پرواہ ہے۔ اس پالیسی قائم ہے کہ ”ان کے مذہب میں مداخلت ہوگی“ اس کے بعد مسلمانوں کے لئے آسانی ہوجائے گی کہ وہ اپنا وقت سود شور وفغاں میں ضائع کریں اور برٹش گورنمنٹ اور اسلام ان دونوں میں سے کوئی ایک بات اپنے لئے پسند کرلیں۔“ (مسئلہ خلافت و عرب ص)

جہاد حریت کے ہراول حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے آج سے تقریباً اسی سال پہلے ہندو مسلم اتحاد کی ضرورت اظہار خیال فرماتے ہوئے مذہبی آزادی کے مسئلہ کی اہمیت کو دوٹوک الفاظ میں واضح فرمایا تھا، ملاحظہ کیجئے حضرت کی ایک تقریر کا اقتباس فرماتے ہیں:

”میں ان دونوں قوموں کے اتفاق واجتماع کو بہت ہی مفید اور ضروری سمجھتا ہوں اور حالات کی نزاکت کو محسوس کرکے جو کوشش اس کے لئے فریقین کے عمائد نے کی ہے اور کررہے ہیں اس کی میرے دل میں بہت قدر ہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ صورت حال اگر اس کے خلاف ہوگی تو وہ ہندوستان کی آزادی کو آئندہ کے لئے ناممکن بنادے گی اس لئے ہندوستان کی آبادی کے یہ دونوں عنصر بلکہ سکھوں کی جنگ آزما قوم کو ملا کر تینوں اگر صلح وآشتی سے رہیں گے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی چوتھی قوم خواہ وہ کتنی ہی بڑی طاقتور ہو ان اقوام کی اجتماعی نصب العین کو محض اپنے جبر واستبداد سے شکست دے سکے گی۔

ہاں میں یہ پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور آج پھر کہتا ہوں کہ ان اقوام کی باہمی مصالحت وآشتی کو اگر آپ خوشگوار اور پائدار دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کی حدود کو خوب اچھی

طرح دل نشیں کر لیجئے۔ اور وہ حدود یہی ہیں کہ □ا کی □□ھی ہوئی حدود میں ان
سے کوئی رخنہ □□ے جس کی صورت بجز اس کے کچھ □ ہو سکتی کہ □ وآشتی کی
تقر□یب سے فریقین کے مذہبی امور میں کسی ادنی ا□ کو بھی □ تھ □ لگا□ی جائے اور
دنیوی معا□ات میں ہر□ کوئی ا□ طریقہ ا□ □ر□ کیا جائے جس سے کسی فر□ کی
ا□ ارسانی اور دل آزاری مقصود ہو‘‘۔ (جمعیۃ علماء کیا ہے ص□□□)

حضرت شیخ ا□ □ نور اللہ □قدہ کے مقام و □تبہ اور ان کی □ گیر مقبولیت سے □ خبر اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ حضرت شیخ ا□ □ کی اپنی تنہا کی آواز □ تھی بلکہ یہ □رے ملت اسلامیہ ہند کی □ □نی تھی۔ حضرت شیخ ا□ؒ کی اسی رائے کو جمعیۃ علمائے ہند نے اپنے لاہور کے عام اجلاس میں بشکل تجو□ ان الفاظ میں □ کیا□

□ الف□ ہمارا نصب ا□ □ آزادیٔ کامل ہے۔

□ ب□ وطنی آزادی میں مسلمان آزاد ہوں گے۔ ان کا مذہب□ آزاد ہوگا۔ مسلم کلچر اور تہذ□یب آزاد ہوگی۔ وہ کسی ا□ □ آئین کو قبول □ کر□ گے جس کی بنیاد ا□ آزادی □□ رکھی گئی ہو۔

□ ج□ ... جمعیۃ علماء ہند کے □ دی□ ہندو□ان کے آزاد صو□ں کا □سی وفاق ضروری اور مفید ہے □ ا□ وفاق اور ا□ □ □ی□ □ جس میں اپنی مخصوص تہذ□یب و ثقافت کی مالک نو کروڑ نفوس □ مشتمل مسلمان قوم کسی عددی اکثر□ی□ کے ر□ و کرم □ز□گی بسر کرنے □ □ر ہو ا□ی□ لمحہ کے لئے بھی گوارا □ ہوگی یعنی □□ کی تشکیل ا□ □ اصولوں □ ہونی ضروری ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی، □سی اور تہذیبی آزادی کی طرف سے مطمئن ہوں۔ (جمعیۃ علماء کیا ہے ص□□□)

پھر اپنی مجلس عاملہ منعقدہ □□ر□□ر اگست □□□□ء کے اجلاس میں د□ و مذہب□ کے □ مسلمانوں کے اسی نقطۂ نظر کی □ □نی کرتے ہوئے واضح الفاظ میں یہ تجو□ منظور کی۔

’’اس موقعہ □ ہم یہ بھی واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ ا□ جمعیۃ علماء کو اس ا□ کا ذرہ بھر بھی وہم ہو□ کہ □و □ آزادی کا نتیجہ ہندو□ان میں ہندو راج قائم ہو جا□ ہے تو وہ ا□ لمحہ توقف کئے □ اس کی شدی□ لفت کرتی۔‘‘

’’ہم آزاد ہندو□ان سے وہ آزاد ہندو□ان □اد لیتے ہیں جس میں مسلمانوں کا مذہب□ ان کی اسلامی تہذ□یب اور قومی خصو□ات آزاد ہوں... مسلمان جو انگری□ کی غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے لئے بیش بہا اور شا□ ار قر□ ں □ کر□ گے

ان کی نسبت ہندو کی غلامی قبول کرنے کے تصور سے بھی ان کی سخت توہین
ہے۔'' جمعیۃ علماء کیا ہے ص -

ان تفصیلات سے سمجھا جاسکتا ہے، کہ د ومذہب کا مسئلہ کس قدر نازک اور بڑی ہے۔ بالخصوص مسلمان اس بارے میں کس درجہ حساس ہیں، مذہب کی اسی حیثیت واہمیت کا نتیجہ ہے کہ ملک کی آزادی کے بعد . آزاد ہندوستان کا دستور بنا ہوا تو اس میں خصوصی طور مذہبی حقوق پر توجہ دی گئی اور آزادی مذہب کو بنیادی اصول میں شامل کیا گیا اور اس کے تحت حسب ذیل دفعات رکھی گئیں:

دفعہ تمام اشخاص کو آزادئ ضمیر، اور آزادی سے مذہب قبول کرنے، اس کی پیروی اور اس کی تبلیغ کا مساوی حق ہے بشرطیکہ امن عامہ، اخلاق عامہ، صحت عامہ اور اس حصہ کی دیگر توضیحات متاثر نہ ہوں۔

راج گدی پر ان ہوتے ہی یہ سارے عہد و پیمان اور قول وقرار ہوس اقتدار کی نذر ہوگئے اور سیاسی ادارے ہی نہیں بلکہ عدلیہ محافظین بھی اقلیتوں کے مذہبی حقوق کو فراخ دلی سے قبول کرنے کے لیے بظاہر تیار نہیں ہیں اور کرسی عدالت پر بیٹھ کر اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں ایسے تبصرے اور فیصلے کرتے ہیں جو دستور میں مصرح حقوق کے منافی ہیں۔ ایسے حالات میں اقلیتوں کو اپنے دستوری حقوق کے تحفظ کے لیے منظم طور پر حکمت عملی تیار کرنے کی ضرورت ہے۔

نام کے ساتھ محمد یا احمد کا اضافہ؟

از: مفتی شکیل منصور القاسمی
شیخ الحدیث مجمع عین المعارف، کیرالا

نام سے انسان کی صرف شناخت ہی نہیں ہوتی ہے، بلکہ اس سے ''ذی نام'' کے رخ، رجحان،، وجدان، ذہن، فکر، مزاج اور طبیعت کی غمازی اور عکاسی بھی ہوتی ہے۔ عربی کا مشہور مقولہ ہے ''كل اناء يترشح بما فيه'' (جس برتن میں جو چیز ہوتی ہے اس سے وہی چیز ٹپکتی ہے) نام اور کے مابین وہی ہم آہنگی، گہرا تعلق اور دائمی وابستگی ہے جو جسم اور روح کے درمیان پائی جاتی ہے۔ ''ایک طرف نام سے ذات کی غمازی ہوتی ہے تو دوسری جانب اور ظاہری شکل وصورت سے بھی نام کا اندازہ لگ جاتا ہے۔ کہ ہم نیچے تحریر کریں گے'' اور حقیقت یہ ہے کہ جس طرح جسم کے اچھے اور برے اعمال وحرکات سے روحِ انسانی میں '' یا بہیمیت'' پیدا ہوتی ہے ٹھیک اسی طرح نام کے حسن وعمدگی سے روح میں لطافت و پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔ انسانی افکار واعمال کی تعمیر ہوتی ہے اور بالآخر عمل کو تقویت ملتی ہے۔ اور نام کے قبح سے روح میں کثافت، انسانی اعمال میں آلودگی اور پراگندگی پیدا ہوتی ہے۔

نام کا اثر کام پر

حق تعالیٰ نے ''عبد العزّی'' کی کنیت ''ابولہب'' رکھی، عاقبت، انجام اور آخرت کے لحاظ سے یہ نام یا کنیت کتنی مناسب ہے حقیقت کی ترجمانی کررہا ہے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے ''ابو الحکم بن ہشام'' کی کنیت ''ابوجہل'' رکھی، تو اس کی شخصیت پہ یہ کنیت کتنی فٹ ہوئی، اور اس کے افکار واعمال پر اس لفظ کے کتنے گہرے اور ان مٹ نقوش چھائے رہے اور اہل علم کے علم میں یقیناً یہ ہوگا کہ حق وباطل کی سب سے پہلی فیصلہ کن لڑائی ''غزوۂ بدر'' میں مشرکین عرب کو نہتے مسلمانوں سے جو شرمناک اور عبرتناک شکست ہوئی، اس کی منجملہ وجوہ کے ایک اہم اور حقیقی وجہ یہ بھی تھی کہ اُن کی طرف سے جو سب سے پہلے مقابلہ کے لیے میدانِ کارزار میں اترے، ان میں

''و '' شیبہ'' اور''عتبہ'' می آدمی تھے۔ و کے معنی میں کس قدر ضعف و کا پہلو ہے؟ پیدائش کے وقت بیحد تواں اور ور بچہ کو کہتے ہیں اور''شیبہ'' تو ھا کی اس حد کو کہتے ہی ہیں ۔ انسان کے تمام اعضاء ڈھیلے جائیں اور قویٰ معطل ہوجائیں اور''عتبہ'' میں جو عتاب وعذاب اور قہر وغضب ِ او ی کا ''جہانِ معانی'' اں ہے، وہ ''جہاں'' میں کسی سے قابل بیان غور کیجیے جن ''تنوں'' سے ضعف و وری، توانی اور قہر عتاب ''جھلکتے'' ہوں؟ کیا ان سے قوت وجوا دی، د ی وبہادری اور فتح ونصرت ''چھلک'' سکتے ہیں؟؟

ادھر مسلمانوں کی طرف سے جو حضرات ان کے مقابلہ کے لیے آئے تھے ان میں ا م ''علی'' کا تھا، جو سر ''علوّ'' سے عبارت تھا، دوسرا م ''عبیدہ'' کا تھا، جن سے ''عبد وبندگی'' ٹپکتی تھی اللہ کے د یہ سے پیاری صفت ہے، اسی لیے ج م ''عبد'' سے شروع ہو وہ اللہ کے یہاں بہت پسند ہ شمار ہے اور تیسرا م ''حمزہ'' کا تھا جو اپنے ''جلوٗ'' میں شیر کی رکھے ہوئے تھا، تو علی کے ''علوّ''، عبیدہ کی ''عبود '' اور حمزہ کی ''قوت '' نے ان کی شخصیتوں کوا متاً کیا او م کی عمدگی سے ان کے کام پہ ا ا ہوا کہ سروسامانی کے عالم میں ا مسلح اور ہتھیار بند فوج کو صرف چند گھنٹوں میں مولی گا کی طرح صاف کرد ۔

ریخِ اسلام کے اس بناک واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ م'' سے ''کام'' کتنا متاً ہے۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ، انسان، حیوان، شہر، آ دی اور مکان غرض کہ ہر چیز میں اچھے موں کو پسند فرماتے تھے اور ے موں کو سن کر آپ کے دل نکدر کی چوٹ لگتی تھی، اور ان تمام چیزوں کے پیچھے یہی غرض مقصود ہوتی تھی کہ اچھے م اچھے نتائج ہوں گے، اور ے موں ے۔ چنانچہ روایتوں میں آ ہے کہ

رسول اللہ اپنی دودھاری اونٹنی کے دودھ نکا کے لیے چند لوگوں کو بل ، ا ''ہ'' کرواہٹ می آدمی اس کے لیے اہوا، لیکن چوں کہ اس کے م سے کسی 'شیر ' نتیجہ کا حصول مشکل تھا، اس لیے آپؐ نے م سے نتیجہ کا استنباط فرماتے ہوئے اس کو بٹھا ، دوسرا شخص اہوا، اس کا م بھی حرب جنگ و ال تھا، اس م سے بھی کسی مثبت نتیجہ کی امید فضول تھی، اس لیے آپؐ نے اس کو بھی کہا بیٹھ جاؤ۔ تیسرا شخص اہوا، جس کا م تھا یعیش'' ز گی چوں کہ اس م سے ز گی اور حیات جیسے امید افزا معانی سمجھ میں آرہے تھے، اس لیے آپؐ نے اس کو دوہنے کی اجازت دی۔

ا غزوہ سے وا آپؐ دو پہاڑوں کے درمیان سے رر ہے تھے۔ آپؐ نے

دونوں پہاڑوں کے نام دریافت کیے پتہ چلا کہ ایک کا نام "فاضح" اور دوسرے کا نام "▯" ذلیل ورسوا کرنے والا ▯ ہے۔ چوں کہ ان دونوں ہم معنی ناموں سے ▯ ذ نتیجہ کی عکاسی ہو رہی تھی، اس لیے آپ ▯ نے وہ راہ ▯ فوراً ▯ ل دیا۔▯▯

▯▯▯ ▯ حدیبیہ کے موقع پر آپ ▯ کی ▯ مت میں سہیل ▯ ▯ و آئے۔ آپ ▯ نے محض ان کے نام سے ا▯لال کرتے ہوئے یہ نتیجہ ا▯ فرمایا کہ "ان شاء اللہ مشرکین مکہ کے ساتھ جاری ہماری مصالحتی کوشش بھی "سہل" رہے گی اور حقیقت میں ا▯ ہی ہوا" ▯ زاد المعاد ▯▯▯▯ م

سے کام اور انجام کس قدر متأثر ہوتا ہے؟ اس کی مزید وضا▯ کے لیے موطا امام مالکؒ کی یہ روایت انتہائی "▯ کشا" اور "بصیرت افروز" ہے۔ حضرت ▯ؓ نے ایک شخص کا نام پوچھا، اس نے کہا ▯ ▯ۃ ▯ چنگاری ▯ باپ کا نام پوچھا، تو کہا شہاب ▯ بھڑکتی ہوئی آگ ▯ کہا کس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہو؟ تو کہا "▯رقۃ" ▯ جلن، سوزش ▯ سے، کہا گھر کہاں ہے؟ تو کہا حرۃ النار ▯ آتشیں محلّہ ▯ پھر پوچھا کہ تمہاری رہائش کہاں ہے؟ کہا ذات لظی ▯ آگ سے دہکتی ہوئی ▯▯. ▯ اس شخص کے تمام ہی ناموں میں "آتشیں مادہ" ہی کارفرما تھا، تو حضرت ▯ؓ نے اس سے یہ نتیجہ ا▯ کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارا گھر "آتش زنی" سے ▯ ▯ سکتا ہے"۔ چنانچہ نام کا ا▯ ظاہر ہوا، اور وہ شخص ▯. ▯ گھر لوٹا تو دیکھا کہ وا▯ اس کا گھر جل چکا تھا۔▯▯

▯ سے بھی نام کی ▯ ▯نی ہوتی ہے

او▯ کی تفصیلات سے تو یہ واضح ہو گیا کہ نام سے ذی نام کی شنا▯ ہوتی ہے، لیکن دونوں کے درمیان اتنا مستحکم رشتہ ہے کہ ذات و ▯ سے بھی نام کا پتہ چل جاتا ہے۔ چنانچہ ▯یس ▯ معاویہ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ محض شکل وصورت اور عادات واطوار دیکھ کر یہ بتا دیتے تھے کہ اس شخص کا نام کیا ہے؟ اور حیرت یہ کہ اس میں کبھی غلطی بھی ▯ ہوتی تھی۔▯▯

الغرض ▯ سازی، اور اخلاق واعمال کی تعمیر میں "▯ م" اہم اور بنیادی رول ادا کرتا ہے اس لیے معلم اعظم ▯ اور امت کو اسرار حیات سمجھانے والے نبی ▯ نے اچھے اور پسندیدہ نام رکھنے کی تعلیم فرمائی اور ہمیں اس طرح "راز حیات" سمجھا گئے "تم قیامت میں اپنے اور ▯ں کے نام سے پکارے جاؤ گے اس لیے تم اپنا نام اچھا ▯ کرو" ▯▯▯ یعنی نگاہِ نبوت میں یہ ▯ حقیقت جلوہ ▯ تھی کہ نام کا ا▯ کام ▯ ضروری ہے، تو. ▯ نام اچھا ہوگا تو امتی کے اعمال بھی اچھے ہوں گے اور . ▯ اعمال اور کام سنور جائیں گے تو روزِ قیامت اچھے اوصاف والقاب سے ا▯ ▯ پکارا جائے گا۔

تحسین اسماء کے سلسلہ میں آپ کی یہ تعلیم محض سرسری نوعیت کی تھی، اور ہی صرف وعظ وتلقین کی رسمی حدوں محدود تھی بلکہ آپؐ نے امت کو اپنے متعدد عملی نے بھی دیئے ہیں۔ چنانچہ آپؐ نے اپنے بہتیرے صحا وصحابیات کے منا م ازخود لے ہیں۔ مثلاً حضرت عا کا م ل کر آپؐ نے جمیلہ ر ۔ اور حضرت برّہ کا م ل کر جو یہ ر ، حضر اصرم کا م ل کر زرعہ، الحکم کا م لکرا شریح ر ۔ اسی طرح آپؐ نے حضرت عاص، عز ، عقلہ، ن، غراب، حکم، حباب اور شہاب و ہ کے م بھی تبدیل فرمائے تھے۔

وں کے م رکھنا؟

ا انبیاء کرام بنی آدم کے سردار ہیں، ان کے اخلاق سے اعلیٰ وافضل ہیں، ان کے اعمال سے کیزہ، معتبر اور مقبول ہیں تو اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہے کہ ان کے م بھی افضل و ہوتے ہیں۔ چنانچہ نبی کر نے جہاں اپنے ارشاد "تسموا باسماء الأنبیاء" ا داؤد حدی نمبر ، تم وں کے م پہ اپن م رکھو کے ذریعہ اس کی تعلیم و دی ہے تو دوسری طرف اپنے جگر گوشہ اور سے چھوٹے فرز کا م "ا اہیم" رکھ کر امت کے لیے اس مسئلہ کی شرعی نقطۂ نظر بھی اپنے عمل سے واضح فرما دی ۔ اسی لیے مشہور اور جلیل ا ابعی حضرت سعید کی رائے تو یہ ہے کہ وں کے م پ م رکھنا سے پسندی م ہے ۔ ہر چند کہ ر علماء ان سے ہیں اور ان کی رائے یہی ہے کہ سے پسندی م عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہے ۔ ہم علماء امت کا ا عی مسئلہ ہے کہ وں کے م رکھنا صرف جا بلکہ "ل رسولؐ" کی وجہ سے افضل اور بھی ہے، کہ حدی مذکور میں بصرا اس کی دی گئی ہے۔ سعید کے اس تفرد کی وجہ میرے خیال سے شای یہ ہے کہ رسول اللہ نے ان کے دادا " ن" سخت وسنگلاخ زمین کا م ل کر "سہل" م وہموار زمین ر تھا، لیکن ا ں نے اس تبدیلی کو قبول فر ی۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ میرے رے خا ان کے لوگوں میں ہمیشہ دادا کے اس م کا ا قساوت قلبی ق ر ۔ رسول اللہ کے اس قولی وعملی وتحری کا ا یہ ہوا کہ علا نوویؒ کے بقول صحا کرام کی ای کا م وں والا تھا ، اور مای ز محقق علا ا القیم الجوزیہؒ نے معتبر ریخی حوا سے نقل کیا ہے کہ حضرت طلحہؓ کے دس لڑکے تھے، دسوں کا م ں والا تھا، اور سے ے لڑکے کا م "محمد"، رسول اللہؐ نے خود ر تھا۔

محمد نام رکھنا

. جب انسان کے نام سب سے افضل واعلیٰ ہیں تو سید الانبیاء والمرسلین کا نام کتنا اشرف و اعلیٰ ہوگا اور پھر ان کے نام پر نام رکھنا کس درجہ شرف وسعادت کی بات ہوگی؟ چنانچہ حضرت جابرؓ کی حدیث بخاری و مسلم میں منقول ہے کہ ”ایک انصاری صحابی کے گھر میں لڑکا تولد ہوا، گھر والوں نے ”محمد“ نام رکھنا چاہا، لیکن اس سلسلہ میں مزید تحقیق کے لیے معلم اعظم کے پاس پہنچے اور اپنا ارادہ ظاہر فرمایا، آپ نے ان کے ارادہ کی تحسین فرمائی اور کہا میرا نام رکھو، لیکن اس کے ساتھ میرے حین حیات میری کنیت ابو القاسم کو بھی جمع نہ کرو کہ اس سے آواز و پکار کے وقت اشتباہ پیدا ہوتا ہے“۔ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے تمام ہی محدثین کہتے ہیں کہ ”محمد“ نام رکھنا نہ صرف جائز بلکہ افضل اور بہتر ہے۔

رسول اللہ کے اسمائے گرامی کی تعداد

رسول اللہ کے نام بیشمار ہیں، بعض علماء نے ، بعض نے ، بعض نے ، بعض نے ، بعض نے ، اور بعض نے ایک ہزار تعداد بتائی ہے، بہت سے محققین نے اس موضوع پر مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ”البهجة السنية“ نامی مبسوط و مفصل کتاب تحریر فرمائی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے رسول اللہ کے اسمائے گرامی شمار کرائے ہیں جبکہ قاضی ابوبکر ابن العربی نے ترمذی کی شرح میں بعض صوفیاء کے حوالے سے ایک ہزار ”نام گرامی“ نقل کیے ہیں، لیکن ان تمام ناموں میں ”محمد“ اور ”احمد“ سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ محمد تو قرآن کریم میں کئی جگہ آیا ہے، اور ”احمد“ کا انجیل اور دیگر آسمانی کتابوں میں ذکر آیا ہے، قرآن کریم میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے ”سورۃ الصف آیت میں یہ لفظ مذکور ہوا ہے۔

محمد اور احمد کے معنیٰ

محمد کے معنی ہیں جس کی زیادہ تعریف کی جائے اور زیادہ تعریف اچھی خصلتوں کی زیادتی ہی کی وجہ سے ہوتی ہے، تو ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ”محمد“ کے معنی ہیں جس کی اچھی خصلتیں زیادہ ہوں۔ اور ”احمد“ کے معنی ہیں جو اپنے رب کی تعریف زیادہ کرے۔ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں رسول اللہ احمد پہلے ہیں اور ”محمد“ بعد میں۔ اس لیے کہ ولادت باسعادت کے فوراً بعد سے

ہی سجدے کی شکل میں آپ اپنے رب کی حمد شروع کردیئے تھے جبکہ لوگوں نے آپ کی تعریف بعد میں کی ہے، تو آپ احمد پہلے ہوئے اور محمد بعد میں۔ آسمانی کتابوں میں آپ کی بشارت بنامِ احمد پہلے آئی ہے اور ''محمد'' نام کا تذکرہ قرآن پاک میں بعد میں ہوا ہے۔ اسی طرح آخرت میں بھی آپ کے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور آپ بجائے سجدہ اپنے رب کی بہت زیادہ تعریف کریں گے، پھر آپ کو شفاعت عظمیٰ کی اجازت ملے گی، اور آپ تمام مسلمانوں کی شفاعت فرمائیں گے، جس کے بعد لوگ آپ کی بہت زیادہ مدح وتعریف کریں گے، تو یہاں بھی آپ احمد پہلے ہوں گے اور محمد بعد میں۔

اسم محمد کی عظمت

قاضی عیاضؒ نے لکھا ہے کہ نام ''محمد'' کو اللہ تعالیٰ نے ازل سے ''اچھوتا'' بنا کر رکھا، پوری تاریخ انسانیت میں اس نام سے کوئی شخص موسوم نہ ہوسکا، البتہ ''بعثت محمد'' کا وقت قریب ہوگیا، اور راہبوں اور کاہنوں نے نبی ''محمد'' نامی نبی آخر الزماں کی بعثت کی خوشخبری سنانی شروع کردی، تو عرب کے بہت سے لوگوں نے اپنے بیٹوں کا نام ''محمد'' رکھنا شروع کردیا تاکہ نبوت سے سرفراز ہوسکے۔ اس امید پر محمد نام رکھے جانے والوں کی تعداد قاضی نے چھ بتائی ہے اور علامہ سہیلیؒ نے سات۔ جبکہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی تحقیق کے بموجب ایسے لوگ پندرہ ہیں۔ یہاں مختصر سے مضمون میں ان ناموں کی فہرست ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ حافظ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری میں، اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں جو کچھ لکھا ہے، وہ متلاشیانِ علم وتحقیق کے لیے کافی ہے۔ مجھے یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ نام نامی ''محمد'' کتنا عظیم نام ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں بھی لوگوں کی اتنی کم ہی تعداد اس نام سے موسوم ہوئی۔ بہرحال خواہ محمد نام ہو یا احمد۔ آپ کے دونوں ناموں پر نام رکھنا باعث شرف وفضیلت ہے۔ محمد بن اسماعیل امیر یمانیؒ نے اپنی مشہور کتاب ''سبل السلام'' شرح بلوغ المرام میں مسند حارث بن اسامہ کی ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے ''جس شخص کے تین لڑکے ہوں اور ان میں سے ایک کا نام بھی محمد نہ رکھے تو اس نے جہالت کا کام کیا'' امام مالکؒ فرماتے ہیں، میں نے مدینہ منورہ کے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ''جس گھر میں بھی محمد نامی شخص ہوگا اس کو رزق خیر سے نوازا جائے گا۔''

امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے ''عرف الشذی'' میں معجم الطبرانی کی حدیث نقل کی ہے ''جو اپنے بیٹے کا نام محمد رکھے، میں قیامت میں اس کی شفاعت کروں گا''

جن صحا کا م محمد، آپ ﷺ نے خود رکھے

محمد م رکھنے کے سلسلہ میں آپ ﷺ نے صرف ز نی ارشاد فر یا، بلکہ متعدد صحا کرام کے لڑکوں کے م "محمد" آپ ﷺ نے خود رکھے ہیں۔ چنانچہ میں سے پہلے آپ نے اپنے چچازاد بھائی جعفر طیار کے فرز کا م محمد۔ اور عام مسلمانوں میں سے پہلے حاطب کے لڑکے کا م محمد ر ۔ اس کے علاوہ متعدد صحا کرام کے لڑکوں کے م محمد آپ نے خود رکھے ہیں۔ جن میں محمد ا بکر، محمد سعد ا وقاص، محمد ذر، محمد طلحہ، محمد و م، محمد رہ، محمد خطاب، محمد خلیفہ، محمد الجد قیس انصاری کے م خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں ۔ مشہور مورخ اسلام علا ا سعد نے اپنے ت میں لکھا ہے کہ حضرت علی کی صلبی اولاد میں لڑکے اور لڑکیاں تھیں، چودہ میں سے لڑکوں کا م آپ ؓ نے محمد ر ، خولۃ بنت جعفر کے سے پیدا ہونے والے لڑکے کا م محمد الاکبر ر جو ا یہ سے بھی مشہور ہوئے۔ اما بنت ا العاص کے سے پیدا ہونے والے لڑکے کا م محمد الاوسط ر ، اور اپنی ا ی ام ولد سے پیدا ہونے والے لڑکے کا م محمد الاصغر ر ۔

رسول اللہ، راشد اور عشرۂ مبشرہ کی اس سنت سے عام صحابہ کرام میں محمد م رکھنے کی ا عملی تحر ملی کہ امام بخاریؒ کی "التاریخ ا " اور حافظ کے "الاصا " کے اعداد وشمار کے مطا محمد می حضرات صحا کی تعدا سے بھی متجاوز ہے۔ اور حیرت ہوتی ہے کہ سے پسند ہ م عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہے لیکن محمد م رکھنے کا شوق حضرات صحا بعین اور تبع بعین میں اتنا شدی ہو چکا تھا کہ محمد می صحا بعین، تبع بعین جن سے کسی کسی واسطہ سے حدی رسول وی ہے کی تعداد امام ذہبیؒ کے حساب وشمار کے مطا کے قری پہنچتی ہے ، کسی بھی اور م کے محد صحا و بعین و م کی تعداد اس درجہ ہے، بلکہ عبداللہ جس کی صریح فضیلت حد ں میں آتی ہے کے م کے محد صحا و بعین کی تعداد میرے قص تتبع کے مطا ہے ، اسی طرح احمد می محد کی تعداد بھی کے قری ہے ۔

فنِ حدی واسماء الرجال سے اشتغال رکھنے والے حضرات اہلِ علم بخو جانتے ہیں کہ "المحمدون" می ب کے تحت رواۃِ حدی اس کثرت کے ساتھ ذکر کیے جاتے ہیں کہ دادا کا م معلوم ہو کسی محمد می راوی کی تحقیق وتلاش دشوار کام ہے۔ صحا بعین، تبع بعین، علماء، محد اور ائمہ ومشائخ کا اس کثرت وتوا کے ساتھ "محمد" ی "احمد" م رکھنا ہی اس

کی افضلیت کی بیّن اور واضح دلیل ہے۔ پھر اس کے بعد اگر کوئی یہ کہے کہ ”صحابہ کے دور میں اس نام کا رواج کمیاب تھا“ تو شاید یہ کہنے والے کی جہالت، کم علمی اور مصادرِ شریعت سے ناواقفیت کی دلیل ہوگی۔ البتہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں محمد نام رکھنے سے لوگوں کو منع فرمایا تھا، ممکن ہے بعض ”سطحی علم“ اور ”سطحی نظر“ رکھنے والے کو اسی طرح کی روایت سے حقیقت مسئلہ کے فہم میں مغالطہ ہوا ہو لیکن جو علم وتحقیق کے خوگر ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس روایت میں حضرت عمرؓ کی یہ ممانعت آئی ہے وہیں حضرت عمرؓ کا اس سے رجوع بھی ثابت ہے۔ مسند احمد اور طبرانی کی روایت میں ہے کہ ”حضرت عمرؓ کے سامنے محمد بن زید بن خطاب کو ایک آدمی نازیبا کلمات سے پکار رہا تھا، حضرت عمرؓ کو ”نام محمد“ کے ساتھ یہ گستاخی بہت ناگوار گزری چنانچہ ان کو بلا کر کہا تمہاری وجہ سے رسول اللہ کے نام کی ہتک ہوتی ہے جو میرے لیے قابل برداشت نہیں ہے، آج کے بعد تم کبھی اس نام سے پکارے نہیں جاسکتے ہو اور ان کا نام عبدالرحمٰن رکھ دیا“۔ پھر اس کے بعد ہی مدینہ منورہ میں یہ حکم صادر فرمایا کہ جن کے لڑکے کا نام محمد ہو وہ ان کا نام بدل دیں لیکن پھر آگے کیا ہوا؟ تو محمد بن زید بن الخطاب نے اپنا نام تبدیل کیا بلکہ امیر المومنین سے صاف کہا ”رسول اللہ نے میرا نام محمد رکھا ہے آپ کے کہنے سے کیسے بدلوں؟ تو حضرت عمرؓ نے کہا ”قوموا فلا سبيل لي إليكم“ اور واقعہ یہ ہے تو میں اس سلسلہ میں کچھ نہیں کرسکتا ہوں۔ ادھر مدینہ کے محمد نامی لوگوں نے بھی کہا ”ہمیں رسول اللہ نے ان ناموں کی اجازت دی ہے پھر آپ کی یہ شدت کیسی؟؟ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو بھی ان کے حال پر چھوڑ دیا“ اس حدیث سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے اس حکم سے رجوع فرمایا وہیں اس سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی مذکورہ ممانعت کی غرض اسم گرامی کی عظمت وتقدس کا لحاظ کرنا تھا، نہ کہ محمد نام رکھنے کو وہ ناجائز سمجھتے تھے۔

مرکب نام رکھنا؟

اس ذیل میں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ حضرات صحابہ وتابعین کے نام محمد یا احمد وغیرہ مفرد ہوتے تھے جیسے محمد بن ابی بکر، محمد بن طلحہ وغیرہ۔ جبکہ موجودہ دور میں عجمی ممالک میں اکثر یہ نام مرکب رکھا جاتا ہے جیسے محمد شمشیر اور شکیل احمد وغیرہ۔ تو واضح رہے کہ محمد نام رکھنے کے مذکورہ فضائل میں مفرد یا مرکب کی کہیں تفریق نہیں ملتی ہے۔ جس طرح ”محمد“ مفرد نام رکھنا افضل ہے اسی طرح اگر اس نام کو کسی دوسرے نام کے ساتھ مرکب کر دیا جائے تو اس سے بھی یہ شرف وسعادت حاصل ہوسکتی

ہے بالخصوص جبکہ یہ ہو کہ م میں اصل م "محمد" یا "احمد" ہی ہوتا ہے دوسرے ر کا اضافہ تبعاً کسی خاص منظر کے تحت کیا جاتا ہے مثلاً بعض لوگ دوسرے ہم م لوگوں سے تمیز کے لیے کرتے ہیں جیسے حضرت علی نے اکبر اوسط اور اصغر کا اضافہ کیا تھا، بعض لوگ اول ثانی و ہ کا اضافہ کرتے ہیں، اسی طرح بعض لوگوں کا قصد ریخ و م کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے۔

حافظ ا القیم جوزی لکھتے ہیں کہ "جس طرح ا آدمی کے لیے م، لقب اور کنیت رکھنا جائز اور ہے، اسی طرح ا آدمی کا متعدد م رکھنا بھی جائز ہے" متعدد م جس طرح علیحدہ علیحدہ ر جا سکتا ہے، اسی طرح مختلف موں کو ا ساتھ جمع کر کے " م" بھی بنایا جا سکتا ہے۔ جیسے "محمد اسعد" یا "سعید احمد" دونوں کے احکام ا ہیں۔

الغرض م کے ساتھ "محمد" یا "احمد" کا اضافہ کرنا شرعاً جائز ہی اور شرف بھی ہے لیکن اس مقدس م کی عزت و تکریم بھی ساتھ میں ضروری ہے۔ ہر لحاظ سے اس کی عظمت و تقدس کا خیال از حد ضروری ہے۔

حواشی

تحفۃ المودود احکام المولود صفحہ طبع مکتبۃ البازمکۃ المکرمہ ۔ زاد المعاد ، موطا امام مالک ، الادب ا دحدیث نمبر ۔ زاد المعاد ، سیرت ا ہشام ۔ موطا مالک ۔ عبدالرزاق، حدیث نمبر ۔ زاد المعاد ۔ ابوداؤد، حدیث نمبر ، ا حبان حدیث نمبر ، فتح الباری ، کتاب الادب ۔ مسلم حدیث نمبر ۔ مسلم ۔ بخاری حدیث نمبر ۔ ابوداؤد، حدیث نمبر ، ترمذی حدیث نمبر ، الادب ا دحدیث نمبر ، تحفۃ المودود ص ۔ ابوداؤد حدیث نمبر ، بخاری حدیث نمبر ۔ بخاری حدیث نمبر ، مسلم حدیث نمبر ۔ فتح الباری حدیث نمبر ، تحفۃ المودود صفحہ ۔ تحفۃ المودود صفحہ ۔ بخاری حدیث نمبر ، زاد المعاد - ۔ نووی علی مسلم حدیث نمبر ۔ تحفۃ المودود صفحہ ، فتح الباری حدیث نمبر ، بخاری مع الفتح حدیث نمبر ۔ بخاری مع فتح الباری حدیث نمبر ، عمدۃ القاری، حدیث نمبر ، نووی حدیث نمبر ۔ زاد المعاد ، نووی ، عینی حدیث نمبر ۔ عمدۃ القاری حدیث نمبر ، فتح الباری حدیث نمبر ، اوجز المسالک حدیث نمبر ۔ اوجز المسالک حدیث نمبر فتح الباری حدیث نمبر ، زاد المعاد ۔ فتح الباری حدیث نمبر ، عمدۃ القاری حدیث نمبر ، اوجز المسالک ۔ سبل السلام شرح بلوغ المرام للحافظ ا حجرؒ ۔ عرف الشذی شرح ترمذی عطاء بند، ب اسماء ا ۔ الاصابۃ فی تمییز ا بۃ جلد صفحہ ، التجرید ، اسد الغابۃ ۔ ت ا سعد، علی المرتضی، مو رضا ۔ الاصابۃ ۔ التاریخ ا - ۔ میزان الاعتدال ۔ میزان الاعتدال ۔ میزان الاعتدال - ۔ نووی علی مسلم، حدیث نمبر ، الاصابۃ فی تمییز ا بۃ ، فتح الباری حدیث ۔ فتح الباری حدیث نمبر ، نووی ۔ تحفۃ المودود صفحہ ۔

شریعت میں خطبہ کی مقدار

از: محمد مجتبیٰ قاسمی
رفیق مکتبہ الافتاء محمد ظفیر الدین المفتاحی
پورہ نوڈیہا، دربھنگہ بہار

جمعہ کی عظمت حدیث پاک کی روشنی میں

جمعہ کے دن کو اللہ پاک نے معزز و محترم بنایا ہے اس کی عظمت دوسرے دنوں سے نرالی اور جداگانہ ہے قرآن وحدیث میں اس کے فضائل ومناقب بہت تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ اس کی شام پُرنور، رات باعظمت، صبح پُررونق اور دن بابرکت ہے اس کے لیل ونہار اپنے دامن میں ڈھیر سارے خیرات وبرکات رکھتے ہیں، اس میں بہت سارے خوش نصیب کے لیے جنت کے فیصلے کیے جاتے ہیں تو بہت سے درد کے ماروں کو دوزخ سے چھٹکارے کا پروانہ ملتا ہے، اس میں ایک گھڑی ایسی بھی آتی ہے کہ اس میں بندہ جو جائز مقصد مانگے عطی پروردگار عطا کر دیتا ہے، اس دن کی کی ہوئی عبادت اور دنوں کی بہ نسبت زیادہ ثواب رکھتی ہے، اس میں درود پاک کی کئی گنا بڑھ جاتی ہے، اس کی عظمت نبی پاک کی زبان مبارک اس طرح بیان کرتی ہے۔

نحن الآخرون السابقون يوم القيامة بيدانهم اوتو الكتاب من قبلنا ثم هذا يومهم الذی فرض عليهم فاختلفوا فيه فهدانا الله لهٗ (فالناس لنا فيه تبع) اليهود غدا والنصاریٰ بعد غد. ترجمہ: ہم بعد میں آنے والے اور قیامت میں سبقت کرنے والے ہیں البتہ کہ اہل کتاب کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی پھر یہ ان لوگوں کا وہ دن ہے جو ان پر فرض کیا گیا عبادت خاص کے لیے لیکن ان لوگوں نے اس میں اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف ہماری رہنمائی کی لہٰذا وہ لوگ ہمارے پیچھے ہوں گے یہود کل اور نصاریٰ کل کے بعد اور صاحب فتح البیان فی مقاصد القرآن اس طرح اس کے احترام کو بیان کرتے ہیں: ان افضل الليالی ليلة المولد ثم ليلة القدر ثم ليلة الاسراء فعرفة فالجمعة فنصف شعبان فالعيد وافضل الايام يوم عرفة ثم يوم نصف شعبان ثم يوم الجمعة والليل افضل من النهار. ترجمہ: راتوں میں افضل آقا

کی ولادت کی رات ہے پھر لیلۃ ا ر پھر معراج کی رات اس کے بعد عرفہ، ، شعبان کی پندرہو اور عید کی رات ہے اور دنوں میں عرفہ کا دن ہے پھر پندرہو شعبان پھر کا دن ا اس کی رات اس کے دن سے ہے۔

جمعرات کی شام سورج غروب ہو ہے تو اس وقت اس کی ائی ظاہر ہونے لگتی ہے، صا دل اور اہل تقویٰ اس رات کو عبادت میں ارتے ہیں، اس کی عظمت کے مظاہر نماز فجر میں بھی دیکھنے کو ملتے ہیں کہ اس میں خاص سورۃ کی تلاوت ن قرار دی گئی ہے، اس میں سورۃ کہف اور دخان کی تلاوت آئندہ ہفتہ کے لیے نجاح و ح ہے، اس میں آنے کے لیے غسل، اچھے کپڑے، خوشبو اور لگانے کی دی گئی ہے اور کی نماز کے بعد اپنی بیٹھے ہوئے درود کو نجات ا وی کا ذریعہ اور دعا، کی قبولیت کا وقت بتا گیا ہے۔

کے عدم اہتمام تنبیہ

کی نماز چونکہ ہفتہ کے اجتماع کا دن ہے چند محلے والوں بلکہ دور دراز کے لوگوں کے ملن کا ای موقع اور کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی کبر ئی اور اس کی عظمت کے اعتراف کا اچھا وقت ہے، چنانچہ نبی ک نے اس کے اہتمام کرنے بہت زور د اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت دھمکی دی ہے حضرت جا نقل فرماتے ہیں کہ رسول نے خطبے میں فرما ان اللہ افترض علیکم الجمعة فی مقامی ھذا فی یومی ھذا فی شھری ھذا فی عامی ھذا إلی یوم القیامة فمن ترکھا استخفافا بھا او جھودًا بھا فلا جمع اللہ شملہ ولا بارك لہٗ فی امرہ الا ولا صلوٰۃ لہٗ ولا زکوٰۃ لہٗ ولا حج لہٗ ولا صوم لہٗ ولا برلہٗ حتی یتوب فمن تاب تاب اللہ علیه. جم بیشک اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں میری اس میرے اس دن میرے اس مہینے میرے اس سال میں قیامت کے لیے کو فرض کر ہے لہٰذا جس نے اس کا ا ف انکار کرتے ہوئے اسے چھوڑ د تو اللہ تعالیٰ اس کے متفرق کاموں کو جمع کرے گا۔ کام بنائے گا اس کے کام میں ہوگی، سن اس کی نماز، ز ۃ، حج، روزہ اور کسی بھی نیکی کا اعتبار ہوگا یہاں کہ وہ تو کر لے پھر جو تو کر لے گا تو اس اللہ ک متوجہ ہو جائے گا ا سے یہی ت دوسرے ں میں اس طرح منقول ہے۔ عن رسول صلی اللہ علیه وسلم انه قال من کان یومن باللہ والیوم الآخر فعلیه الجمعة الا مسافرًا او مملوکا او صبیًا او امرأةً او مریضاً فمن استغنٰی عنھا بلھو او تجارة استغنی

الله عنه والله غني حميد. جمہ: رسول اللہ نے فرمایا کہ جو اللہ اور م آ ت ایمان رکھتا ہے تو اس لازم ہے الا یہ کہ فر یا غلام یا بچہ یا عورت یا ہو لہٰذا جس نے اس سے کھیل کود یا تجارت کی وجہ سے واہی کی تو اللہ کو اس سے کوئی مطلب ہے اور اللہ زا اور لائق تعریف ہے۔

نمازِ اور دوسری نمازوں میں فرق

نمازِ پنج گانہ نمازوں سے الگ طریقے ادا کی جاتی ہے اس میں دو خطبے ہوتے ہیں جس میں خطیب اپنی ذات اور لوگوں کو خشیتِ الٰہی کی تلقین کرتا ہے ا لمعروف اور عن المنکر کے فرائض انجام دیتا ہے۔

خطبہ: خطبہ موعظت و نصیحت کو کہتے ہیں جس میں حمد و ثنا، و ہوتی ہے یہ خطبہ ا ک ت اور موثر ذریعہ ہے کہ اس سے ے کام آسانی سے حل ہو جاتے ہیں، اسے د وی معاملہ میں بھی اہمیت حاصل ہے اور دینی امور میں بھی قدر و رکھتا ہے، یہ ا ا ہتھیار ہے جس سے ا امعرکہ سر ہو جاتا ہے، جتنے انبیاء تشریف لائے انھوں نے احکامِ اکو خطا کی مدد سے لوگوں پہنچایا، چنانچہ حضرت مو علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی لکنت کے ختم ہونے کی دعاء کی، نوح علیہ السلام نے کہا کہ ہم نے ا دن و رات اعلا اور خفیہ ہر طرح دعوت دی و دیگر انبیاء نے بھی اپنا مشن موعظت و نصیحت سے آگے ھایا اللہ تعالیٰ نے خود اسے اپنانے کا حکم دیا اور فرمایا فذكر ان نفعت الذكرىٰ تو آپ نصیحت کیا کیجئے اگر نصیحت کرنا مفید ہوتا ہو وذكر فان الذكرى تنفع المومنين اور سمجھاتے رہیے کیونکہ سمجھانا ایمان والوں کو نفع دے گا۔

خطبہ کے لیے جلدی کرنا

قرآن ک میں ہے اذا نودى للصلوٰة من يوم الجمعة فاسعوا الى ذكر الله . ب کے روز نماز کے لیے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد کی طرف چل ا کرو یہاں ذکر اللہ سے ا د خطبہ ہے یعنی جیسے ہی اذان ہو خطبہ سننے کے لیے چل و، نماز سے جو تیاریاں ہو سکتی ہوں ا کرنے لگو، شریعت نے دوٹوک فرمان جاری کردیا ہے کہ اذانِ کے بعد کی تیاری کی ت کے علاوہ تمام کام وہ ہے۔

خطبہ کا وجوب

کتب فقہ اور تفسیر میں یہ عبارت لکھی ہے۔ والخطبة عند جمهور العلماء شرط فی انعقاد الجمعة. خطبہ علماء کے نزدیک جمعہ کے انعقاد کے لیے ضروری اور شرط ہے اور یہی بات حضرت عمر اور عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے جو اس کی مزید وضاحت کرتی ہے۔ انما قصرت الجمعة لاجل الخطبة ولابن الوقت سبب لوجود الظهر والوقت متی جعل سببا لوجوب صلاة کان سببا لوجوبها فی کل یوم کسائر اوقات الصلوٰة ثم اذا وجد سبب القصر تقصر کما تقصر بعذر السفر. جمعہ کی نماز کی وجہ سے کم کردی گئی ہے اور اس لیے کہ وقت ظہر کے وجود کا سبب ہے لہٰذا. جب نماز کے وجوب کے لیے وقت کو سبب قرار دیا گیا تو وہ نماز کے سارے اوقات کی طرح ہر دن اس کے وجوب کا سبب ہوگیا پھر. جب قصر کا سبب پایا گیا تو نماز کم کردی گئی سفر کی نماز کی طرح جو سفر کے عذر کی وجہ سے کم کردی گئی ہو۔

ان دونوں نفوسِ قدسیہ سے ایک دوسری روایت تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ مروی ہے۔ انما قصرت الصلوٰة لاجل الخطبة اخبران شطر الصلوٰة سقط لاجل الخطبة وشطر الصلوٰة کان فرضا فلا یسقط الا لتحصیل ما هو فرض. جمعہ خطبہ کی وجہ سے نماز کم کردی گئی۔ خبر دی گئی ہے کہ نماز کا آدھا خطبہ کے پیش نظر ساقط کردیا گیا اور آدھی نماز فرض ہے لہٰذا فرض کو حاصل کرنے کے لیے ہی وہ ساقط ہے۔

خطبہ کی اہمیت

خطبہ میں حمد وثنا اور اللہ کا ذکر ہوتا ہے جو سراسر ذکر اللہ ہے جس کی روشنی میں بندے اپنی اصلاحِ حال کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے ان کے اندر خیرات و برکات حاصل کرنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے اور اسے سن کر اپنے اندر مضبوطی اور قوت محسوس کرتے ہیں اور احکام کی بجالانے کے لیے کمربستہ ہوجاتے ہیں اتنی عظیم بات کی اہمیت نبی کریم اس طرح بیان فرماتے ہیں حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے۔ قال النبی صلی الله علیه وسلم اذا کان یوم الجمعة وقفت الملائکة علی باب المسجد یکتبون الاول فالاول ومثل المهجر کمثل الذی یهدیٰ بدنة ثم کالذی یهدی بقرة ثم کبشا ثم دجاجة ثم بیضة فاذا خرج الامام طووا صحفهم ویستمعون الذکر. رسول اللہ نے فرمایا. جب جمعہ کا دن آتا

ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے ے ہو جاتے ہیں اور پہلے اس کے بعد اور اس کے بعد آنے والوں کا م لکھتے رہتے ہیں اور سے پہلے مسجد پہنچنے والے کی مثال ا آدمی کی طرح ہے جس نے او کی قر نی کی پھر گائے پھر مینڈھا پھر غی پھر ا ان کا ثواب حاصل کیا لیکن . امام اپنے حجرے سے نکل کر منبر تشریف لے آتے ہیں تو یہ اپنے رجسٹر بند کر لیتے ہیں اور ری توجہ سے خطبہ سننے لگتے ہیں۔

نماز سے قبل خطبے کا منظر

نماز کا خطبہ عید کے خطبہ کی طرح تھا جو نماز دوگا ادا کر لینے کے بعد جا تھا ا دن نماز کے بعد آپ حسب معمول خطبہ فرما رہے تھے کہ اچا ا قافلہ آ گیا اور اس نے اپنے آمد کی ا ع نقارہ بجا کر دی اکثر صحا کرامؓ سن کر اجتہادی سہو کی وجہ سے آپ کو اسی حا میں چھوڑ کر چلے گئے، تو اللہ تعالیٰ نے سخت ڈا پلائی اور اس سے بچنے کی دائمی شکل نماز سے پہلے خطبہ شروع کر کے عطا کیا۔ ماخوذ از کشاف و

خطبہ کی عظمت

ان توں سے اس کی عظمت کا پتہ ہے کہ موقع کی مناس سے یہ کتنا عظیم ہے، شریعت نے اس کے تبے کو کس قدر بلند لا کیا ہے کہ مسلمانوں کے ہر اجتماع میں اس کی حیثیت مستحب، سنت اور وا. کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔

. اس کی کئی صور ہیں تو اس کی ریکی بیان کر از حد ضروری تھا نبی ک اور صحا کرامؓ نے کھول کھول کر اپنے قول و فعل سے واضح کر یا اب ہماری ذ داری ہے کہ اس ن و عن عمل کر اس سے ل ا بھی انحراف کر کے عتاب کے شکار ہوں وہ بیان شد راقم اپنی معلومات کے اعتبار سے کر ہے اپنا سنن ہدیٰ کو اپنا ہے اور اس کے خلاف ز وضلال ہے۔

خطبہ کی مقدار حدیث کی روشنی میں

حدیث قولی نبی کر کا ارشاد حضرت ا وائل حضرت عمارؓ کے حوا سے نقل کرتے ہیں۔

خطبنا عمار فاوجز وابلغ فلما نزل قلنا یا ابا الیقظان لقد بلغت واوجزت فلو کنت تنفست فقال انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان طول صلوٰۃ الرجل

وقصر خطبتہ مئنة من فقه فاطیلو الصلوٰة واقصروا الخطبة وان من البیان لسحرًا
جمہ حضرت ا وائل کہتے ہیں کہ حضرت عمارؓ نے ہمارے سامنے خطبہ دیا جو مختصر اور جامع تھا، لہٰذا۔ وہ ا ے تو ہم نے عرض کیا حضرت ا الیقظان آپ کی کنیت ہے آپ نے مختصر لیکن جامع خطبہ دیا کاش ہمیشہ آپ ز ہ رہتے تو ا اس نے جواب دیا کہ میں نے نبی ک کو یہ فرماتے سنا ہے کہ آدمی کی عقلمندی کی علامت یہ ہے کہ اس کی نماز سے اس کا خطبہ مختصر ہو لہٰذا نماز لمبی اور خطبہ مختصر کرو اور تقریر تو جادو ہے، اس حدیث ک سے اشارے اور حکم دونوں ملتے ہیں کہ لوگوں کو خطبہ مختصر دینا چاہیے اور ا داؤد شریف میں حضرت عمارؓ سے ہی وی ہے امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم باقصار الخطب ہمیں آقا نے خطبوں کے مختصر کرنے کا حکم دیا ہے اس حدیث ک میں لفظ ا آیا ہے اور یہ خطبہ کے مختصر ہونے کے لیے عبارۃ النص ہے ا لفظ سے حکم کے بعد اب کسی کو اس کے خلاف کرنے کا کوئی ا ر ہے، صا ل ا جہو د نے اس حدیث کے بظاہر معارض ا حدیث کا ذکر کیا ہے اور اس کے تطبیق کو تحریر فرمایا ہے۔
تعارض مسلم شریف میں ا حدیث ہے جس میں نبی ک کے فجر کے نماز سے ظہر اور اس کے بعد خطبہ دینے کی صرا ہے جو اس حدیث اور حکم حدیث کے معارض ہے، جواب یہ اس کے معارض اور خلاف ہے کیونکہ وہ ا مصلحت کے نظر ہو گا، دوسری ت یہ ہے کہ کے خطبہ کا وجود وقت کے ہونے کے بعد ہی ممکن ہے اس سے پہلے اس کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے جبکہ معارض حدیث میں علی الصباح سے خطبہ کا ذکر آیا ہے۔

حدیث فعلی عن جابر بن سمرة قال کان النبی صلی اللہ علیه وسلم یخطب قائماً م یجلس م یقوم ویقرأ آیات ویذکر اللہ عزوجل وکانت خطبة قصدا وصلاتہٗ قصدًا. حضرت جا سمرہؓ نے روایت کیا ہے کہ رسول ے ہو کر خطبہ دیتے تھے پھر بیٹھ جاتے تھے پھر ے ہوتے اور چند آیتیں ھتے اور اللہ عز وجل کا ذکر کرتے اور آپ کا خطبہ اور آپ کی نماز مختصر ہوتی حضرت جاؓ کی روایت امام مذیؒ نے بھی نقل کیا۔ قال کنت اصلی مع النبی صلی اللہ علیه وسلم فکانت صلوٰتہٗ قصدا وخطبته قصدا.
ا اس نے کہا کہ میں نبی کے ساتھ نماز ھتا تھا تو آپ کی نماز اور خطبہ مختصر ہو خطبتہٗ حاشیہ ہے۔ لا ینافی اقصریة الخطبة بالنسبة الی الصلوٰة یہ ت نماز کی نسبت خطبہ کے کم ہونے کے منافی ہے اور قصد حاشیہ ان الفاظ میں ہے۔ المقصد من الامور المعتدل الذی لایمیل الی احد طرفی الافراط والتفریط قصدًا ا امور میں سے

ہے جوافراط وتفریط میں سے کسی کی طرف مائل نہ ہو،اس حدیث میں ایک خاص بات ہے جس کی وضاحت رہے گی حدیث میں کنت اصلی ہے ''صرفی قاعدہ''. کہ لفظ کان فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے تو وہ فعل استمراری اور دائمی ہوجاتا ہے۔ لہٰذا یہ بھی فعل ہمیشہ ہونے والا ہے اس لیے کبھی کبھی ہونے والا فعل اس کا معارض نہ ہوگا۔

ابوداؤد کے مراسیل میں ہے جس کو امام زہریؒ سے روایت کیا ہے۔ الحمد اللّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ نعوذ به من شرور انفسنا من يهد اللّٰه فلا مضل لهٗ ومن يظلل فلا هادى لهٗ نشهد ان لا اله الا اللّٰه وان محمدا عبده ورسوله ارسله بالحق بشيرًا ونذيرًا بين يدى الساعة من يطع اللّٰه ورسوله فقد رشد ومن يعصهما فقد غوىٰ نسأل اللّٰه ربنا ان يجعلنا ممن يطيعه ويطيع رسولهٗ ويتبع رضوانه ويجتنب سخطه زہریؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ . جب بھی خطبہ دیتے تھے تو کہتے تھے۔ كل ما هو آت قريب ولا بعد لما هو آت لا يعجل اللّٰه لعجلة احد ولا يخف لامر الناس ماشاء اللّٰه الناس يريد اللّٰه امرا ويريد الناس امرا ما شاء اللّٰه كان ولو كره الناس ولا مبعد لما قرب اللّٰه ولا مقرب لما بعد اللّٰه لايكون بشى الا باذن اللّٰه عزوجل مذکورہ روایت مکمل خطبہ ہے نبی کریم دیا کرتے تھے ایک اور خطبہ حضرت جابرؓ نقل کرتے ہیں۔ كان النبى صلى اللّٰه عليه وسلم يوم الجمعة يخطبه فيقول بعد ان يحمد اللّٰه ويصلى على انبيائه "ايها الناس ان لكم معالم فانتهو الى معالمكم وان لكم نهاية فانتهوا الى نهايتكم ان العبد المؤمن بين مخافتين بين اجل قد مضى لايدرى ما اللّٰه قاض فيه وبين اجل قد بقى لا يدرى ما اللّٰه صانع فيه فلياخذ العبد من نفسه لنفسه ومن دنياه لآخرته ومن الشبيبة قبل الكبر ومن الحياة قبل الممات والذى نفسى بيده ما بعد الموت من مستعتب ما بعد الدنيا من دار الا الجنة او النار اقول قولى هذا واستغفر اللّٰه لى ولكم وقد تقدم ما خطبه به عليه الصلوٰة والسلام اول جمعة عند قدومه المدينة. یعنی مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد نبی کریم نے سب سے پہلے یہی خطبہ دیا آپ ہجرت کر کے ابھی ابھی تشریف لائے ہیں تقاضہ تو یہ تھا کہ خوب لمبا چوڑا خطبہ دیتے لیکن خطبہ مختصر جامع دیا اور دونوں کی بھلائی کی بات اور مغفرت کی دعا، کی امام ابوداؤدؒ نے حضرت جابر بن سمرہ سوائیؓ کی روایت کردہ حدیث نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لايطيل الموعظة يوم الجمعة انما هن كلمات يسيرات.

رسول اللہ کے دن بہت لمبا خطبہ دیتے تھے بلکہ وہ چند کلمات ہوتے۔

آپ کا تعلیم کردہ خطبہ

جس طرح آپ نے اپنی زبان مبارک سے لوگوں کے رو خطبہ دیا ہے اسی طرح اس کی تعلیم بھی وقتاً فوقتاً دی ہے کہ اس سے امت فائدہ اٹھائے اور اپنی حاجت دینی جاری کر سکے چنانچہ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول نے خطبہ سکھائے حاجت ان الفاظ میں دیا۔

الحمد لله نستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له واشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدًا عبده ورسوله ثم يقرأ ثلاث آيات يا ايها الذى آمنوا اتقوا الله حق تقاته ولاتموتن الا وانتم مسلمونo يا ايها الناس اتقوا ربكم الذى خلقكم من نفس واحد وخلق منها زوجها وبث منها رجالاً كثيراً ونساءا واتقوا الله الذى تساءلون به والارحامط ان الله كان عليكم رقيباo يا ايها الذين آمنوا اتقوا الله وقولو قولاً سديدا اس حاشیہ یہ ہے کہ یہ خطبہ تمام حاجت روائی کے لیے عام ہے لہٰذا اپنے ضروری کاموں میں اسے پڑھ کر مدد طلب کرنی چاہیے۔

مختصر خطبہ اجماع صحابہ سے بھی ثابت ہوا

خطبہ کا مختصر ہونا جس طرح قول رسول فعل نبی اور تعلیم نبوی سے ثابت ہے اسی طرح اجماعِ صحابہ کرامؓ بھی اس کے لیے مضبوط مستدل ہے، اس اجماع نے ایک اہم اشکال کو رفع کیا ہے کہ آپ تو جوامع الکلم تھے لہٰذا اپنی مکمل بات چند کلمات میں کہہ لیتے تھے آپ کے بعد دوسرے حضرات میں یہ صفت نہیں پائی جاتی ہے اس لیے یہ لمبی بات کر کے اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کے مجاز ہیں اجماع کی روایت حضرت عثمانؓ کے حوالے سے صاحب بدائع الصنائع نے نقل کی ہے۔ روى عن عثمانؓ انهٗ لما استخلف خطب فى اول جمعة فلما قال الحمد لله ارتج عليه فقال انتم الى امام فعال احوج منكم الى امام قوال وان ابابكر و عمر كانا يعدان لهذا لمكان مقالا وستاتيكم الخطب من بعد واستغفر الله لى ولكم ونزل وصلٰى بهم الجمعة كان ذٰلك بمحضر من المهاجرين الانصار وصلوا خلفه وما انكروا عليه صنيعه مع انهم كانوا موصوفين بالامر بالمعروف والنهى عن المنكر

فکان هذا اجماعا من الصحابة. ترجمہ حضرت عثمان ؓ سے مروی ہے کہ جب آپ خلیفہ بنائے گئے تو پہلے جمعہ میں خطبہ دیا تو جب الحمد للہ کہا تو رک گئے پھر فرمایا تم لوگ فعال امام کے زیادہ محتاج ہو بہ نسبت بہت زیادہ بولنے والے امام کے اور حضرات شیخین یعنی صدیق اکبرؓ و فاروق اعظمؓ اس مقام کے لیے چند باتیں تیار کر رکھے تھے اور عنقریب تمہارے روبرو اس کے بعد خطبے آئیں گے اور میں اپنے لیے اور تم لوگوں کے لیے استغفار کرتا ہوں اور اتر گئے ان نے صحابہ کرامؓ کو جمعہ کی نماز پڑھائی یہ تمام مہاجرین و انصار کی موجودگی میں ہوا آئیں اور تمام حضرات نے ان کی اقتدار میں نماز ادا کی کسی نے بھی ان کے یہ کرنے پر نکیر نہیں کیا باوجودیکہ وہ حضرات امر بالمعروف اور نہی عند المنکر کی صفت سے متصف تھے، لہٰذا یہ صحابہ کا اجماع ہے۔ اس واقعہ سے دو باتیں سمجھ میں آئیں پہلی بات تینوں حضرات نے مختصر خطبہ دیا دوسری بات صحابہ کرام کی موجودگی میں حضرت عثمان ؓ کے مختصر خطبہ دینے کو صحابہ کرام نے درست سمجھا اور کچھ نکیر نہیں کیا۔

چھوٹا خطبہ اقوال ائمہ کی روشنی میں

قال ابوحنیفہؒ ان اقتصر الخطیب علی مقدار یسمٰی ذکر الله کقوله الحمد الله سبحان الله جاز. ترجمہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اگر خطیب نے اتنی مقدار پر اکتفار کیا جس کو اللہ کا ذکر کہا جائے مثلاً الحمد الله یا سبحان الله تو جائز ہے۔ فذهب ابوحنیفة الی ان رکن الخطبة تحمیدة او تهلیلة او تسبیحة لان المامور به فی قوله تعالٰی (فسعوا الی ذکر الله) مطلق الذکر الشامل للقلیل والکثیر والماثور عنه لایکون بیانا لعدم الاجمال فی لفظ الذکر. تو ابوحنیفہؒ اس بات کے قائل ہیں کہ خطبہ کا رکن الحمد الله یا لا اله الا الله یا سبحان الله ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے قول فاسعوا الی ذکر الله. میں حکم مطلق ذکر ہے جو قلیل و کثیر کو شامل ہے اور ان سے منقول ہے کہ وہ بیان نہیں ہے لفظ ذکر میں اجمال نہ ہونے کی وجہ سے وقال الصاحبان: لابد من ذکر طویل یسمٰی خطبة. اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اتنے طویل ذکر کا ہونا ضروری ہے کہ اسے خطبہ کہا جا سکے۔

اما المالکیة فیرون ان رکنها هو اقل ما یسمٰی خطبة عند العرب ولو سجعتین نحو: اتقوا الله فیما امر وانتهو عما عنه نهی وزجر فان سبح او هلل او کبر لم یجزه. بہرحال مالکیہ تو وہ حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ اس کا رکن یہ ہے کہ کم سے کم اتنی مقدار میں خطبہ ہو جس کو اہل عرب کے نزدیک خطبہ کہا جا سکے اگرچہ دو مقفی عبارت ہو جیسے اللہ تعالیٰ

سے ان باتوں میں ڈرو جس کا حکم دیا ہے اور اللہ کی منع کی ہوئی اور زجر وتوبیخ کی ہوئی چیزوں سے باز رہو لہٰذا اگر سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ یا اللہ اکبر کہا تو جائز نہیں ہوگا۔

وجزم ابن العربی ان اقلها حمدا للہ والصلاۃ علی نبیہٖ وتحذیر و تبشیر ویقرأ شیئاً من القرآن ابن عربی نے کہا ہے کہ خطبہ کی کم سے کم مقدار اللہ کی تعریف نبی ﷺ پر درود، ڈرانا اور خوشخبری دینا ہے اور قرآن پاک میں سے کچھ پڑھنا ہے۔

وذهب الشافعیة الی ان لها خمسة ارکان وهی: (أ) حمد اللہ ویتعین لفظ [اللہ] ولفظ [الحمد] (ب) الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیه وسلم ویتعین صیغة صلاۃ وذکر النبی صلی اللہ علیه وسلم باسمهٖ او بصفته فلا یکفی صلی اللہ علیه وسلم (ج) الوصیة بالتقوی ولا یتعین لفظها (د) الدعاء للمومنین فی الخطبة الثانیة (هـ) قرأۃ آیة مفهمة ولو فی احداهما. فلا یکفی بنحو [ثم نظر] لعدم استقلالها بالافهام ولا بمنسوخ التلاوۃ ویسن جعلها فی الخطبة الاولٰی واستدلوا علی هذه الارکان بفعل النبی صلی اللہ علیه وسلم.

ترجمہ: شوافع خطبہ کے لیے پانچ رکن مانتے ہیں (۱) اللہ کی تعریف اس کے لیے لفظ اللہ اور لفظ الحمد متعین ہے (۲) رسول ﷺ پر درود کے صیغے اور نبی ﷺ کا ذکر ان کے نام یا ان کی صفت کے ذریعہ متعین ہوگا۔ لہٰذا ﷺ کافی نہیں ہوگا (۳) اللہ سے ڈرنے اور تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت جس کے لیے کوئی خاص لفظ ضروری نہیں (۴) دوسرے خطبہ میں مومنین کے لیے دعا (۵) مفہوم ادا کرنے والی آیت کا پڑھنا اگرچہ دونوں خطبوں میں سے ایک میں ہو لہٰذا ثم نظر جیسی آیت کافی نہیں ہوگی اس کے مستقل بالمفہوم نہ ہونے کی وجہ سے اور منسوخ التلاوت کافی ہوگا۔ اور اس کو خطبہ اولیٰ میں مسنون قرار دیا گیا ہے اور ان حضرات نے ان ارکان پر نبی ﷺ کے فعل سے استدلال کیا ہے۔

اما ارکانها عند الحنابلة فاربعة وهی: (أ) حمد اللہ تعالٰی بلفظ الحمد (ب) الصلاۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بصیغة الصلاۃ (ج) الموعظة وهی القصد من الخطبة فلا یجوز الا خلال بها (د) قرأۃ آیة کاملة.

ترجمہ: بہرحال حنابلہ کے نزدیک خطبہ کے ارکان چار ہیں (۱) لفظ الحمد سے اللہ تعالیٰ کی تعریف (۲) درود کے لفظ سے نبی پاک ﷺ پر درود (۳) نصیحت اور یہی خطبہ کا مقصد ہے لہٰذا اس کے چھوڑ دینے کی وجہ سے جائز نہ ہوگا (۴) مکمل آیت کی تلاوت۔

وزاد بعضهم رکنین آخرین: (أ) الموالاة بین الخطبتین وبینهما وبین الصلوٰة فلا یفصل بین اجزاء الخطبتین ولا بیناحداهما وبین الاخری ولا بین الخطبتین وبین الصلاة (ب) الجهر بحیث یسمع العدد المعتبر للجمعة حیث لا مانع.

ترجمہ: بعض حضرات نے دوسرے دو رکن کا اضافہ کیا ہے۔ پہلا دونوں خطبوں کے درمیان موالاۃ اور ان دونوں کے درمیان اور نماز کے درمیان بھی لگاتار عمل ہو لہٰذا دونوں خطبوں کے اجزا، اور ان دونوں میں سے ایک اور دوسرے کے اور دونوں خطبوں اور نماز کے درمیان کوئی فصل نہ ہو۔ دوسرا اتنی بلند آواز سے ہو کہ اتنے لوگ سن لیں جو جمعہ کے لیے معتبر ہیں اس طور پر کہ کوئی مانع نہ ہو۔

اتنی سامنے آجانے کے بعد اب بہت طول طویل خطبہ دینا خلاف سنت ہوگا جس کا ترک بہت ضروری ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہمارے پیارے حبیب تمہیں جو دیں اسے لے لو اور جس سے منع کردیں اس سے رک جاؤ چنانچہ فرمایا ما آتکم الرسول فخذوه وما نهٰکم عنه فانتهوا۔ نص میں کسی بات کا ذکر کرنا اور دوسری باتوں کو لاگو کرنا اس سے ہی ہے۔ صحابہ کرام کے اجماع نے ثابت کردیا کہ انتم الی امام فعال احوج منکم الی امام قوال. اس لیے ہر خطیب کو لازمی طور پر ان فرامین کا خیال رکھنا چاہیے کہ نبی کے طریقے کے رو سے ہوتے ہوئے خوشنودی اور رضامندی حاصل ہو۔

❊ ❊ ❊

حواشی

بخاری شریف جلد اوّل صفحہ ۔۔۔ صفحہ ۔۔۔ ، ج ۔۔۔ مکتبہ احیاء التراث الاسلامی قطر ۔۔۔ روح المعانی ص ۔۔۔ مکتبہ احیاء التراث العربی بیروت لبنان ۔۔۔ رائع الطرائع جلد ص ۔۔۔ ، بیان القرآن ۔۔۔ تفسیر ابن عطیہ ص ۔۔۔ ج ۔۔۔ مکتبہ امیر الدوحہ قطر الطبعۃ الاولیٰ ۔۔۔ھ = ۔۔۔ء ۔۔۔ رائع الطرائع ج ص ۔۔۔ مکتبہ دار الفکر الطبعۃ الاولیٰ۔ ۔۔۔ رائع الطرائع ج ص ۔۔۔ بخاری شریف ج ص ۔۔۔ مسلم شریف ج ص ۔۔۔ ، مکتبہ ملت دیوبند۔ ۔۔۔ ابوداؤد شریف ج ص ۔۔۔ ، مکتبہ ملت دیوبند۔ ۔۔۔ وہ قرآن وحدیث کی بات جو کسی خاص حکم کے لیے آئی ہو ۔۔۔ یہ ایک کتاب ہے ۔۔۔ ، نسائی شریف جلد ص ۔۔۔ ، ابن ماجہ ص ۔۔۔ ، مکتبہ فیصل دیوبند۔ ترمذی شریف ج ص ۔۔۔ ، فیصل دیوبند ۔۔۔ ابن ماجہ ابوداؤد، نیل ص ۔۔۔ بیہقی ج ص ۔۔۔ باب کیف یستحب ان تکون الخطبۃ، بحوالہ الجامع الاحکام القرآن ص ۔۔۔ ج ، مکتبہ دار الفکر ۔۔۔ بحوالہ ۔۔۔ ابوداؤد شریف ج ص ۔۔۔ ، مکتبہ ملت دیوبند ۔۔۔ نسائی شریف ج ص ۔۔۔ ، مکتبہ فیصل دیوبند ۔۔۔ رائع الطرائع ج ص ۔۔۔ ، مکتبہ دار الفکر الطبعۃ الاولیٰ، کشاف ج ص ۔۔۔ ، مکتبہ منشورات البلاغۃ، الجامع لاحکام القرآن القرطبی ج ، ص ۔۔۔ ، مکتبہ دار الفکر ۔۔۔ کشاف ۔۔۔ کسی کام کا لگاتار ہونا۔ ۔۔۔ باب ۔۔۔ الموسوعۃ الفقہیہ ، از ص ۔۔۔ ، ج ۔۔۔ ، الطبعۃ الثانیۃ ۔۔۔ھ = ۔۔۔ء وزارۃ اوقاف کویت۔

مدارس اسلامیہ کا مقصد

از: مولا محمد یفہ و نوی
جامعہ اسلامیہ اشا العلوم، اکل کوا

ا اللہ اللہ رب ا ت نے انسان کو عقل عطا کی ہے اور عقل عطا کرنے کا مقصد ہی تمیز بین الخیر والشر ہے، یعنی اسی عقل کے سہارے وہ اچھے ے میں تمیز کر سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عقلمند کا ہر کام مقصد ہو ہے، وہ کوئی بھی کام کرنے سے پہلے، مقصد کی تعیین کر ہے کہ اس کی محنت اکارت ہو جیسے کوئی انسان دوکان ی ہے، تو مقصد اس میں تجارت کر ہو ہے۔ ظاہر ت ہے کہ ا وہ اس میں لا لگا دے تو لوگ وقوف کہیں گے، کہ عجیب آدمی ہے، دوکان ی بنائی اور ا ہی لا لگائے ی ہے، تو تعجب کیوں؟ مقصد سے ٹ ۔ ا ہی اللہ رب ا ت نے انسان بنا اور اسے اشرف المخلوقات کے مقام فا کیا، تو تخلیق انسانی کا مقصد بھی بیان کر د وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون“ میں نے انسان اور جنات کو محض اپنی عبادت کی غرض سے پیدا کیا۔ تو معلوم ہوا کہ مقصد حیات انسانی، عبادت او ی ہے، بقیہ امور مثلاً کما پینا س و ہ، مقصد ، بلکہ ضرورت اور حا ہے، ا کوئی انسان عبادت جل مجدہ سے منہ موڑ کر محض نے پینے کمانے اور سیر و تفریح، کھیل کود میں لگ جائے، تو اس کا مطلب وہ اپنے مقصد سے ہٹ کر ز گی بسر کر ہے۔ اسی لیے اس کا انجام اور عذاب ہوگا۔ جیسے قلم لکھنے کے لیے بنا جا ہے، ا ا مدت اسے استعمال کیا جائے تو وہ کار ہو جا ہے۔ اب ب یہ ت سمجھ میں آ گئی، تو آئیے مدارس کے قیام کا مقصد اور منظر بھی معلوم کرتے چلیں کہ بعض روشن خیال م د دانشور اور مدارس اور مسلمانوں کے دان خیر خواہوں کو بھی ت سمجھ میں آ جائے، اور وہ مدارس سے ڈاکٹرز، انجینئر اور سائنس داں پیدا کرنے کی خواہش ک کر دے، اور خود اپنے یان کو جھا کہ معاشرے کو خاص طور مسلمان معاشرے

کو جو ڈاکٹرز، سائنس داں اور انجینئرز و □ہ □ل رہے ہیں، اس میں قصوران کا ہے، مدارس کا □۔ ابھی کچھ دنوں پہلے میں نے ای□ روز□ □میں □ ھا کہ اتنے کثیر تعداد میں مدارس ہونے کے□ وجود پچھلے نوسو سال میں مدارس نے کوئی خوارزمی خیام رازی امس□ کو □ دی□ا، تو مجھے □ا عجیب سا معلوم ہوا، کچھ ہنسی بھی آئی اور غصہ بھی□ تو میں نے قلم اٹھ□یا اور ارادہ کر□ کہ ان جیسے مقا□ نگاروں کے سامنے مدارس کا مقصد بیان کر دینا ضروری ہے□ کہ امس□، □لطِ مبحث کا شکار □ ہو جائے، امید ہے کہ اس کا بغور مطالعہ کر □ گے۔

قیام مدارس کا □منظر

□□□□ء میں متحدہ ہندو□ان کے□ شندوں کی مسلح تحر□ی□ آزادی□ کام ہوگئی اور ہندو□ان میں □طانوی حکومس□□ ضابطہ قائم ہوگئی، تو اس □ □طانوی ظالم حکومس□ نے دفتروں اور عدالتوں سے فارسی اور عر□ □ز□ان کی بساط لپیٹ دی، اس کے ساتھ ساتھ دیگر علوم اسلامیہ کا بھی، خاص کر فقہ اسلامی، تفسیر، حدی□□ کی تعلیم دینے والے مدارس کے معاشرتی کردار□ بھی خطِ تنسیخ کھینچ د□یا گیا، جس کے نتیجے میں ہزاروں مدارس اس نو آ□ د□یاتی فیصلے کے□ رہو گئے، ا□ □نگین حالات میں حکیم الامس□ حضرت شاہ ولی اللہ صا□ب□ کی □ □□ کے بچے کھچے درویش صفت □رگوں نے د□ بند، سہارنپور، □ اد□ د اور □ٹ ہزاری میں دینی مدارس کے، ای□ رضا کارا□ اور □ائیو□ی□ سلسلے کا آغاز کیا۔ جوان □رگوں کے خلوص اور معاشرے کی دینی ضرورت کے□ □□ بہت جلد ای□ □□ط اور منظّم نظام کی شکل ا□ □رکر گیا، اور جنو□ ایشیا کے کونے کونے میں ا□ □مدارس کا جال بچھ گیا، اور اب تو ماشاء اللہ صرف ہندو□ان اور جنو□ ایشیا ہی □، بلکہ □طا□، ا□یکہ، کنیڈا، □ □، آ□ □یلیا، جنو□ افریقہ اور اب عرب ممالک میں بھی اس کے قیام کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے، بلکہ قائم کئے جارہے ہیں، اور کئے جاتے رہیں گے□ انشاء اللہ□ کیوں کہ اس کا مقصد □اہی□ کیزہ اور مقدس ہے۔

ع　　پھونکوں سے یہ □اغ بجھ□ی□ جائے گا

قیام مدارس کا مقصد

□اہلِ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ وہ اپنی ز□گی کے انفرادی، اجتماعی، شخصی و معاشرتی تمام

معا□ات میں وحی الٰہی کے□ بند ہوں، اور ا□وی نجات کے ساتھ ساتھ ان کی د□وی کامیا□ اور □ح بھی آسمانی تعلیمات کی پیروی □موقوف ہے، اہلِ اسلام حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد □ □ کے تمام انبیاء کی تعلیمات کو حق مانتے ہیں، اور اس □ایمان رکھتے ہیں، اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی کر□ □کی تعلیمات، تمام انبیائے کرام □ السلام کی تعلیمات کا نچوڑ اور خلاصہ ہے۔اور قرآن کر□ وحی الٰہی کا فائنل ا□یشن ہے، اور وہ مکمل محفوظ ہے□قی تمام کتابیں عدم حفظ کا شکار ہیں، لہٰذا راہِ حق کے لیے اس کے علاوہ کوئی اور سبیل ہی □۔اس □منظر سے یہ □ت□ □ ہوگئی کہ ہر مسلمان □داور عورت کا قرآن وسنت کی تعلیمات سے آرا□ ہو□، اس کے دینی فرائض میں شامل ہے□ لہٰذا د□ □استعماری طا□اں کے تسلط سے پہلے مسلمانوں کی مذہبی حکوم□ اور قیادت ہی، دینی تعلیم کے فروغ کو اپنی دینی ذ□داری سمجھتی تھی، لہٰذا اس کے لیے جو کچھ ہو، کر□رتی تھی، اس میں کو□ ہی □کرتی تھی، □استعمار□اں کے تسلط کے بعد مذہبی تعلیمات ع□ا وعملاً □طور □قی رکھنے کے لیے رضا کارا□طور □مدارس کی صورت میں □ائیو□ □نظام کی بنیاد رکھی گئی، قیام مدارس سے اکا□ کا اصل مقصد، اسلامی معاشرہ میں دینی تعلیم کو□قی رکھنے کے لیے معاشرہ میں □ □ومدارس کو رجال کار کی فراہمی تھا□ کہ دینی تعلیم کا سلسلہ بلا کسی تعطل وخلا کے چلتا رہے ا□ اللہ مدارس اپنے مقصد میں کامیاب ہیں، خود علا□ اقبال نے مدارس □ اعتراض کرنے والوں سے کہا تھا کہ ''ان مدارس کو اسی حا□ □کام کرنے دو۔ اس نے ہندو□ن کو اسپین ہونے سے بچا□ ہے۔''

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مدارس، ضرورت کے بقدر انگر□ی کمپیو□و □ہ تو اپنے نصاب میں دا□ کر سکتے ہیں □مدارس سے یہ مطالبہ کر□ کہ وہ ڈاکٹرز اور انجینئر معاشرہ کو فراہم کرے۔ بقول شیخ الاسلام حضرت مولا□ تقی عثمانی دام□ □کا□م، ا□ ہی ہے جیسے کسی میڈیکل کالج کے نصاب میں انجینئر □کی کتابیں دا□ کر□ □کسی انجینئر □کالج میں ڈاکٹری کی کتابیں دا□ کر□۔ ظاہر ہے کہ اس کو حماقت تصور کیا جا□ ہے، تو مدارس سے یہ مطالبہ□ لکل ا□ ہی ہے، جیسے آم کے در□ □ سے جامن □ انگور کی امید رکھنا۔

بہر حال اس □ان کا مقصد، صرف قیام مدارس کا بیان کر□ تھا جو □راً بیان کر د□ گیا، ا□ اللہ مدارس اپنے مقصد میں کامیاب ہیں اور ان شاء اللہ کامیاب رہیں گے، ان ہی مدارس نے حضرت تھانویؒ، حضرت گنگوہیؒ، قاضی مجاہد الاسلامؒ، مولا□ علی میاں □ویؒ، مولا□ تقی عثمانی، مفتی

شفیع صاحب، علامہ ادریس کاندھلوی، علامہ بنوری، علامہ شبیر احمد عثمانی، علامہ عثمانی، شیخ زکریا، قاری طیب صاحب، حضرت مدنی، علامہ کشمیری، عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا منظور نعمانی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے اساطین علم وفضل امت کو عطا کئے اور کرتے چلے جارہے ہیں۔ ان ہی کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا تھا کہ

> نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
> ید بیضا لیے پھرتے ہیں اپنی آستینوں میں

ڈاکٹرز اور سائنس داں کا مطالبہ علی گڑھ اور جامعہ ملیہ سے کرو، جو اسی مقصد پر قائم کئے گئے تھے، کہ ہم امت کو انجینئرز، ڈاکٹرز اور سائنس داں دیں گے، اگر ان مدارس سے بے جا مطالبات کرنے والوں کو شکایت ہی ہے۔

مدارس نے امت کو کیا دیا

مدارس کیسے چلتے ہیں اور انہیں کیسے چلایا جاتا ہے، اسے تو اللہ ہی خوب جانتے ہیں، کتنی قربانیوں اور کیسے کیسے طعنوں اور دربدر کی ٹھوکروں کے نتیجہ میں یہ اپنی خدمات میں مصروف ہیں، وہ کوئی پوشیدہ نہیں، سبھی جانتے ہیں، ایک طرف اعداء اسلام ان کو "بنیاد پرست"، رجعت پسند"، "دہشت گرد"، "قدامت پسند" کا طعنہ دیتے ہیں اور دوسری جانب روشن خیال مسلمان جو مدارس کے قدر دان دوست ہیں، وہ اپنی خطاؤں سے مدارس کو مورد الزام ٹھہرا دیتے ہیں، انجینئرز اور ڈاکٹرز اور سائنس داں پیدا کرنے کا بیڑا اہم اہلِ مدارس نے کب ہی کہاں ہے؟ یہ بات الگ ہے کہ دینی مدارس اب نونہالان امت کے ایمان کو بچانے کے لئے دینی ماحول میں عصری تعلیم کی طرف بھی توجہ دے رہے ہیں، اس پر بھی امت کا ایک طبقہ ان کو نشانہ بنائے ہوئے ہے۔ عجیب صورت حال، امت کو ہر جانب سے مدارس ہی کو نشانہ بنانے کی سوجھتی ہے، مدارس الحمدللہ اللہ کی توفیق اور مدد سے اپنی خدمت میں بلا کسی لومۃ لائم کی پرواہ کئے مصروف کار ہیں، اللہ ہمارے ان مدارس کو ہر طرح کی داخلی وخارجی، ظاہری باطنی سازشوں اور فتنوں سے محفوظ رکھے۔ آمین یارب العالمین

مدارس نے امت کو یہ دیا

لاکھوں ناداراافراد کو تعلیم سے بہرہ ور کیا۔

- معاشرے میں بنیادی تعلیم اور خواندگی میں معقول اضافہ کیا۔
- قرآن وسنت کی تعلیم اور دینی علوم کی اشاعت وفروغ میں کلیدی کردار ادا کیا۔
- عام مسلمانوں کو دینی رہنمائی اور مذہبی تعلیم کے لیے رجال کار فراہم کئے۔
- عام مسلمانوں کے عقائد وعبادات واخلاق اور مذہبی کردار کو تحفظ فراہم کیا۔
- اسلام کے خاندانی نظام اور کلچر اور ثقافت کی حفاظت کی۔
- اسلامی عقائد اور احکامات کی اشاعت کی اور اس پر ہونے والے اعتراضات و شبہات کا جواب دیا۔
- اسلام کی بنیادی تعلیمات عقائد اور احکام کی ہر طرح کی بغاوت اور تحریف سے حفاظت کی اور راسخ العقیدگی کو تحفظ دیا۔
- مادہ پرستی، اور خود غرضی کے دور میں قناعت اور ایثار وسادگی کو مسلمانوں کے ایک طبقہ میں باقی رکھا۔
- وحی الٰہی اور آسمانی تعلیمات کو عملی نمونے کے طور پر باقی رکھا۔

مذکورہ چیزیں امت کو دی ہیں، دے رہے ہیں اور انشاء اللہ دیتے رہیں گے۔ اس طرح ان مدارس نے صرف مسلمانوں ہی پر نہیں بلکہ پوری نسل انسانی کو آسمانی حقیقی سرچشمہ تک رسائی میں مدد دی کردار ادا کر کے، پوری انسانیت کی جانب سے فرض کفایہ ادا کیا، لہٰذا ساری انسانیت کو ان مدارس کا ممنون ومشکور ہونا چاہیے۔

☆ ☆ ☆

اِس سے پہلے میں تمہارے درمیان ا□ □ □ار چکا ہوں کا نبوی ﷺ چیلنج

ا□ ڈاکٹر ا□ ا □ فاروقی

اللہ رب العالمین نے اپنے رسول □□ۃ للعالمین حضرت محمد □ کے ذریعہ بنی نوع انسانی کے لیے اپنی ہدا□ ورہنمائی ہمیشہ کے لیے ارسال کردی۔ اور یہ □ جا□ علمی، عقلی اور کردار ہر لحاظ سے مکمل ہے۔ جس طرح انسانی ز□گی کے انفرادی اور اجتماعی ہزاروں پہلو ہیں اسی طرح ہزاروں پہلوؤں سے حضور اکرم □ کی رہنمائی بھی موجود ہے۔ اور کوئی بھی پہلو تشنہ □ چھوڑا گیا۔ اور حضور اکرم □ کا □ سے □ا اعجاز یہ ہے کہ اپنی تمام تعلیمات □ □ سے □ھ کر □ سے پہلے آپ خود عمل کرتے تھے۔ قرآن □ک میں اللہ تعالیٰ نے خود اس پہلو کو اجا□ کیا ہے۔ ''تم اِن سے صاف کہہ دو کہ میرا ارا □ تو یہ ہے کہ میں اللہ کی طرف بلا□ ہوں میں خود بھی □ری روشنی میں اپنا را □ دیکھ ر□ ہوں اور میرے ساتھی بھی، اللہ□ک ہے اور شرک کرنے والوں سے میرا کوئی واسطہ □'' سورہ □سف آ□ □□□۔ حضور اکرم □ کی ز□گی اور کردار کو اللہ □ک نے ا□ □عیب اور مکمل بنا□ اور محفوظ فر□ کہ کردار اور سیرت مصطفیٰ □ کو تمام د□ کے سامنے ا□ چیلنج کے طور □ کر د□۔ اور قرآن □ک نے اس چیلنج کو رہتی د□ □ اِن الفاظ میں تمام □ □حق کے لیے عام کر د□ ''کہو اَ□ اللہ کی □ یہی ہوتی تو میں یہ قرآن تمہیں کبھی □سنا□ اور اللہ تمہیں اُس کی خبر □ □ دیتا۔ آ□ اِس سے پہلے میں تمہارے درمیان ا□ □ □ار چکا ہوں۔ کیا تم عقل سے کام □ لیتے؟ پھر اس سے □ا ظالم اور کون ہوگا جو ا□ جھوٹی □ت گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کرے؟ سورہ □نس آ□ □□□۔ خط کشیدہ جملہ میں جو چیلنج د□ گیا ہے وہ آپ کے علمی چیلنج کا ا□ طرح کا تکملہ ہے۔ ا□ طرف تو □ یہ چیلنج اللہ تعالیٰ نے تمام □ □حق کو د□ ہے ''کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ □ □ نے اسے خود □ کر□ ہے۔ کہو اَ□ تم اپنے اِس اِلزام میں سچے ہو تو ا□

سورۃ اس جیسی کرلاؤ اور ا ا کو چھوڑ کر جس جس کو بلا سکتے ہو مدد کے لیے بلالو‘ نس آ ۔ ا طرف قرآن کا چیلنج اور دوسری طرف صا قرآن کا عمل اور کردار کا چیلنج اور دلیل ان دونوں کے آگے ے سے ا‘‘ ‘‘ لف سر تسلیم خم کرنے رہو گیا۔

اچھی اچھی اخلاقیات کی کر، اونچی اونچی ڈ نکنا ممکن قسم کی خوبصورت بنا یہ اخلاقیات، د ، روحا سا کے م کر بہت آسان ہے۔ اور یہ ریخ میں ہو ہا ہے۔ ی خوبصورت اخلاقی کرنے والے مصلحین، روحا سا کے م د مبلغین کی ذاتی ز گیاں عموماً عمل اور کردار سے خالی بلکہ اس کی ضد ہوتی ہیں۔ کسی بھی انسان کے قول اس کی دعوت سے ز دہ مو دلیل اس کا اپنا عمل اور کردار ہو ہے۔ اور اس کے بعد اس کے قری لوگوں کی گواہی اس کے کے ات قطعی اور فیصلہ کن ہوتے ہیں۔ اس معیار انسانی ریخ میں سے ز دہ جو ری ا تی ہے وہ آنحضرت کی ہے۔ آپ کی نبوت سے قبل کی ز گی بھی اس حقیقت گواہ ہے۔ خارق عادات چمتکار، سعید اور مسحور کن کر د ا آسان ہو ہے بلند اخلاقی تعلیمات خود عمل کر سے مشکل ہو ہے۔ اسی لیے مذکورہ لا یات میں آپ نے دونوں کسوٹیوں عمل کا ثبوت کیا۔ پہلا یہ کہ اپنی دعوت سے ھ کر یقین رکھنے والا میں خود ہوں۔ دوسرے مقام فرما کہ میں پہلے خود مسلم ہوں۔ دوسری آ میں عمل اور کردار کے لحاظ سے ثبوت ا گیا کہ اپنی ماقبل کی چا سا ز گی میں نے تمہارے درمیان ہی اری ہے کیا میں نے کبھی جھوٹ لا؟ کبھی قصہ کہانی سنائے، اقتدار کی خواہش کی؟

ریخ کے ذریعہ یہ ت بھی ہے کہ حق کفار ومشرکین مکہ نے اِن دونوں ں کا جواب دینے کی بھر ر کوشش کی۔ اجتماعی طور نظم کر کے اہل ادب کو مکمل ئی کے ساتھ قرآن کی ای آ جیسی آ لانے کی کوشش کی گئی۔ حضور کو نعوذ للہ ان، جادو، گھر والوں کو آ میں لڑانے والا، انے رسم ورواج سے گشتہ کرنے والا، سماجی نے نے کو نے والا، شاعر، کاہن اور جانے کیا کیا کہا گیا۔ خود ہی اِن الزامات مطمئن بھی ہوتے تھے۔ جادو، جھوٹے سحر زدہ تھے تو اپنے جھگڑوں میں ان کو فیصلہ کرنے والا کیوں بناتے تھے؟ ان کو صادق اور امین کیوں کہتے تھے؟ اُن کے س اپنی قیمتی امانتیں کیوں جمع کراتے تھے؟ ہجرت کے وقت حضرت علیؓ کو صرف اسی مقصد سے خطرہ مول لے کر اپنے بستر سلا گیا تھا کہ اما داروں کی امانتیں وا کردی جائیں۔

Sir William Myur سرولیم میور جوحضور کے صف اوّل کے میں سے ہے نے اپنی کتاب ''لائف آف محمد'' میں رہوکرلکھاہے ''ہماری تمام تصنیفات محمدؐ کے چال چلن کی عصمت اوران کے اطوار کی کیزگی میں جواہل مکہ میں کمیاب تھیں ہیں۔اورولیم میور جیسے لف کوبھی یہ لکھنے اس لیے رہ ا کیونکہ حضرت محمدؐ کے وقت کے بھی طور آپ کوئی الزام لگاسکے تھے۔توکردارکشی کی دوسری ڈ ا رکی کہ اِن کے ساتھ فرشتہ کیوں چلتے، ان کے س غات ہے، یہ ہمارے او عذاب کیوں لے آتے، آسمان سے کوئی ٹکڑا کیوں ادیتے و ہ و ہ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اِن تمام بیہودہ مطالبوں کا ا ہی جواب دلو کہ ''میں توصرف ڈرانے والا اور پہنچانے والا بناکر گیا ہوں میں کوئی تمہارے او داروغہ بناکر گیا ہوں اور عذاب لا ُردوں سے ت کر ، ُردوں کوز ہ کرکے د میری ذ داری ہے۔میں توصرف کہتا ہوں کہ پہاڑی کے خطبہ صفا پہاڑسے پہلا دعوتی خطبہ میں آپ نے فرما ''تم میری کیارائے رکھتے ہو؟ مجھے سچا سمجھتے ہو جھوٹا سمجھتے ہو؟، نے ا ن ان ہوکر جواب د ''ہم نے تمہارے سے کبھی کوئی جھوٹی بیہودہ ت سنی ہم جانتے ہیں کہ تم سچے اورامین ہو'' یہ توتھی کی جا دارگواہی جس میں تعصّب کود تھا۔وہ حضور کی چا سا ز گی کے ؤاور کردار کے نتیجہ میں آپؐ کو کچھ جانتے تھے وہ ا ں نے بتاد ۔ جیسے ہی آپ نے اگلے جملہ میں دعوت د کرتے ہوئے کہا ''میں یہ کہتا ہوں کہ ا ا ہے اس کا کوئی شر ،موت حق ہے اور نے کے بعداسی کے سامنے حاضر ہ ہے۔ا ان توں ایمان لاؤگے تو ح ؤگے اور د وآ ت میں سر و ہوگے ور تم بہت ا عذاب زل ہوگا۔'' یہ دعوت سننے کے بعد ا لمحہ پہلے صادق امین بتانے والے کہنے لگے ''کیا ہمیں اسی لیے بل تھا؟ بیکار ہماراوقت دکیا''۔

دوسری طرف ا اور زاویہ سے حضور کے کردار کو جانچیں کہ انسان کے رے میں سے ز دہ اس کے قر لوگ جانتے ہیں خاص طور سے وہ لوگ جومشکل اور آزمائش کے حالات میں اس کے ساتھ رہے ہوں۔کیونکہ رمل حالات میں توآدمی اپنی اصلیت دہ ڈال سکتا ہے اور رسا،خوش مزاج اورملنسار بنارہ سکتا ہے کشمکش،آزمائش اور نی اس کے او اورا رکا سارا ملمع اور میک اپ ومکاری ا ردیتی ہے۔ا میں آدمی وہی نظرآ ہے جوا رہ ہے۔ا میں ولِ اوّل وحی کے بعد حضور کا گھرآکر اپنی اہلیہ محتر ام المومنین حضرت

سے بھی حیرانگی اور پریشانی کے عالم میں ملاقاتِ جبرئیل کا واقعہ سنا کر مجھے ڈھارس دی مجھے ڈھارس دی اور فرمایا اور اس کے جواب میں حضور کی سب سے قریبی اور رازدار کی سچی گواہی دینا "آپ رنج نہ فرمائیں آپ مہمان نواز ہیں اقربا کی مدد کرتے ہیں بیواؤں، یتیموں اور بے کسوں کی دستگیری کرتے ہیں سچ بولتے ہیں اللہ آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا" اس چیلنج کی سب سے بڑی دلیل ہے "میں تمہارے درمیان ایک عمر گزار چکا ہوں"؟

کردارِ نبویؐ کے اس چیلنج کا ایک دوسرا رخ قرآن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے "اے نبی ان سے کہو میں تمہیں بس ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں اللہ کے لیے تم اکیلے اکیلے اور دو دو مل کر اپنا دماغ لڑاؤ اور سوچو تمہارے صاحب میں کون سی بات ہے جو جنون کی ہو وہ تو ایک سخت عذاب کی آمد سے پہلے تم کو متنبہ کرنے والا ہے۔ ان سے کہو اگر میں نے تم سے کوئی اجر مانگا ہے تو وہ تم ہی کو مبارک ہو۔ میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔ النساء آیت ۔

انبیاء کرام کی یہ سنت اور مستقل کردار رہا ہے کہ انہوں نے ہمیشہ اپنی دعوت کے بدلے میں کوئی اجر انسانوں سے طلب نہیں کیا۔ "ہم تم سے کوئی اجر نہیں مانگتے ہمارا اجر تو اللہ کے پاس ہے" یہ ہر نبی کے کلام کا مقطع ہوتا تھا۔ حضور نے اپنے ذاتی اور اقربا کے مفاد کے لیے کوئی کوشش اور منصوبہ بندی نہیں کی۔ اپنی زندگی میں بھی اپنے شان وشوکت، خدم وحشم، ہٹو بچو، مصنوعی تکلّفات اور آداب کی زندگی نہیں گزاری۔ زندگی گزارنے کا جو معیار حالت تنگدستی اور مغلوبیت میں تھا وہی معیار دس لاکھ مربع میل کے بلا شرکت غیرے حاکم بننے کے بعد بھی تھا۔ اپنے لیے خصوصی مراعات کا کیا ذکر زکوٰۃ جیسی امدادی مد سے اپنی آل کا حصہ ہی منع فرمادیا۔ اپنے پیچھے کوئی جائداد اور ترکہ نہیں چھوڑا۔ جو تھا بھی وہ بھی وفات سے ایک روز قبل تقسیم کردیا۔ حضور کے کردار کے اس پہلو کی آج تقلید کی جائے تو دنیا سے ناانصافی، رشوت خوری، جرائم، بے روزگاری بالکل ختم ہوجائے۔ جب حکمراں دائیں بائیں سوئے اس کے آگے پیچھے بلیک کیٹ کمانڈو Black cat Commando نہ ہوں، محلوں کے ہر کئی پرتوں والا حفاظتی انتظام نہ ہو، ہر فرد حاکم سے براہ راست مل سکتا ہو اور فوری انصاف حاصل کرسکتا ہو تو ناانصافی کیوں ہوگی؟ رشوت خوری کیسے ہوگی؟ لوٹ کیسے ہوگی؟ سیرتِ نبوی کے اس پہلو پر چند گواہیاں اس طرح ہیں:

۱- **ٹامس کارلائل** Thamas Carlyle نے لکھا ہے کہ "آپ کا گھر نہایت معمولی اور کمتر لوگوں کے طرز کا تھا اور آپ کی عام غذا، جو کی روٹی اور پانی، اکثر آپ کے چولھے میں مہینوں

آگ روشن ہوتی تھی۔ کسی طرہ دارشہنشاہ کی اتنی اطاعت نہ ہوئی جتنی کہ اِس شخص کی اُس کے اپنے ہاتھ کی سی ہوئی عبا میں ہوئی تھی۔

۲- **ایڈورڈ گبن** Edward Gibbon اپنی دنیوی طاقت کے عروج میں بھی محمدؐ کی شرافت نفس نے شاہانہ ٹھاٹ واحتشام روا نہ رکھا۔ دنیا چھوڑے ہوئے مجاہدوں سے نفرت کرتے ہوئے آپ بلابناوٹ اور بلاتکلف ایک عرب اور ایک سپاہی کی طرح سادہ غذا استعمال فرماتے تھے۔

۳- **پروفیسر سیڈیو** ''آپ خندہ رُو، ملنسار اکثر خاموش رہنے والے بکثرت ذکر خدا کرنے والے لغو اور بیہودہ باتوں سے نفرت کرنے والے بہترین رائے رکھنے والے تھے۔ آپ نیک منصف مزاج تھے غریبوں میں رہ کر خوش ہوتے تھے، تنگدستوں کو ان کی تنگدستی کی وجہ سے نہ تو حقیر جانتے تھے اور نہ بادشاہوں کو ان کی بادشاہی کی بنا پر بڑا سمجھتے تھے''۔

۴- **واشنگٹن ارون** Washington Irvin ''اپنے انتہائی قوت واقتدار کے دور میں بھی آپ نے وضع قطع اور اخلاق وعادات میں وہی سادگی قائم رکھی جو پریشانی اور ناداری کے زمانہ میں آپ کا وصف رہی تھی۔ شاہانہ کروفر تو بڑی بات ہے۔ اگر کسی مجلس میں آپ کے ساتھ کچھ خصوصیت کا برتاؤ کیا جاتا تو وہ بھی آپ کو بہت ناگوار ہوتا تھا''۔

ہمارے پیارے رسول ﷺ کی پوری سیرت کو پڑھ جایئے آپ کو کہیں یہ بات نظر نہ آئے گی کہ آپ نے اپنے لیے کسی چیز کا ذخیرہ کیا ہو۔ آپ نے اپنے لیے کیا چاہا؟ آپ نے ساری دوڑ دھوپ انسانیت کی فلاح کے لیے۔ انسانوں کی تعلیم وتربیت، تزکیہ کے لیے کی۔ آپؐ بڑے پیار ومحبت سے کہتے کہ میری حیثیت ایسی ہی ہے جیسے کسی باپ کی اپنے بچہ کے سامنے ہوتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے دنیا سے کیا لیا؟ آپ دنیا سے چلے گئے اس حال میں کہ آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔ کون ایسا ہوگا جو دوسروں کی بھلائی کے لیے سانپ کاٹے ہوئے بچہ کی طرح بلکے اور دوسروں کی بھلائی کے لیے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالے۔ یہاں تک کہ اللہ رب العالمین خود دلاسہ دیں کہ ''کیا آپ اپنے آپ کو ہلاک کرلیں گے اگر لوگ ایمان نہ لائے تو''۔ آج دنیا میں ہر طرف اس محسن انسانیت کی بادشاہی میں فقیری کرنے والے، رحیق ورحیم، رحمت عالم کے نام اور کام کو داغدار کرنے کی کوششیں اور سازش کرنے والے کیا اس کے ہزارویں حصہ کی بھی برابری کو کرسکتے ہیں۔ درود وسلام ہو پیارے رسول ﷺ پر رحمتیں وبرکتیں نازل ہوں آپ کی روحِ مبارک پر۔ آمین

قسط اوّل

وسی کے حقوق

از محمد عظیم آ دی

انسان کا اپنے والد ، اپنی اولاد اور قریبی رشتہ داروں کے علاوہ سے زدہ واسطہ و تعلق بلکہ ہروقت بھینٹ قات، لین د کا سابقہ ہمساں اور وسیوں سے بھی ہو ہے اور اس کی خوشگواری خوشگواری کا ز گی کے چین وسکون اور اخلاق کے ا ح وفساد اور بناؤ بگاڑ بہت گہرا ہے۔

انسان اور اس کے تمدن کی بنیاد ہمی اشتراک آ تعاون قائم ہے اس د کا ہر انسان ا دوسرے کی مدد کا محتاج اور ا دوسرے کی نصرت وحما اس کی ز گی کا انحصار ہے اَ اک بھوکا ہے تو دوسرے کا حق ہے کہ اپنے نے میں اسے بھی شری کرے اَ ا بیمار ہے تو دوسرا اس کی عیادت و تیمارداری کرے اَ ا کسی آفت ومصیبت کا شکار ہو اور کسی رنج وغم میں ر ہو تو دوسرا اس کا شری وسہیم بنے اور اس کے رنج وغم کا مداوا کرے اور اس اخلاقی نظام کے ساتھ حضرت انسان کی ساری آ دی ہمی اخوت ومحبت اور حقوق کی ذ دار اں کے اٹوٹ بندھن میں بندھ کر اتحاد و یکجہتی کا اور "یُؤْثِرُونَ علی اَنْفُسِھِم وَلَو کَانَ بِھِمْ خَصَاصَہ" کا حقیقی مصداق جائیں۔

ہر انسان بظاہر جسمانی روحانی حیثیت سے ا دوسرے سے جتنا علاحدہ ہے اخلاقی و روحانی حیثیت سے ضروری ہے کہ وہ اتنا ہی زدہ ا دوسرے سے ہو، ا کا وجود دوسرے کے وجود سے اتنا ہی پیو ہو۔ نبی کر نے اپنی تعلیمات وہدیات میں ہمسا اور وس کے اس تعلق کو ی عظمت بخشی ہے اور اس کے احترام ورعا کی ی کید فرمائی ہے کہ اس کو وایمان اور د لہ جنت کی شرط اور اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا معیار قرار دیا ہے۔

حبیب کبری نے ارشاد فرمایا "مَازَالَ جِبْرِیْلُ یُوْصِیْنِی بِالْجَارِ حَتّٰی ظَنَنْتُ اَنَّہٗ

سَیُوَرِّثُہٗ" (بخاری و مسلم) کہ جبریل امین ہمیشہ مجھے پڑوسی کی رعایت و امداد کی اس قدر تاکید کرتے رہے کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ شاید پڑوسیوں کو بھی رشتہ داروں کی طرح وراثت میں شریک کردیا جائے گا۔ پڑوسیوں کے ساتھ حسن اخلاق کا مظاہرہ کرنا اور اچھا رویہ رکھنا اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی شرط اور اس کا معیار قرار دیا گیا۔ حضرت عبدالرحمٰن ابی قراد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دن نبی کریم نے وضوء فرمایا تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے آپ کے وضوء کا پانی لے کر اپنے بدن اور چہرے وغیرہ پر ملنے لگے۔ سرکار دوعالم نے دریافت فرمایا کہ اس عمل پر کون سی چیز آمادہ و انگیختہ کررہی ہے تو آپ کیوں کررہے ہو تو صحابہ کرام کا جواب تھا کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت۔ آپ نے ارشاد فرمایا سنو جو شخص یہ پسند کرتا ہو اور جس کی یہ خواہش ہو کہ اس سے اللہ اور اس کے رسول کی محبت نصیب ہوجائے یا یہ کہ اللہ و رسول کو اس سے محبت ہو تو اسے تین باتوں کا اہتمام کرنا چاہیے۔ بات کرے تو سچ بولے۔ کوئی امانت اس کے پاس رکھی جائے تو امانت داری کے ساتھ اس کو ادا کرے، اور اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ایک موقع پر سرکار دوعالم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے لازم ہے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اکرام کا معاملہ کرے۔

ترمذی اور مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کسی محلے کے لوگوں میں اللہ کے نزدیک سب سے افضل اور بہتر وہ شخص ہے جو اپنے پڑوسیوں کے حق میں بہتر ہو۔

مسند احمد کی ایک روایت میں نبی کریم کا فرمان ہے کہ ایک پڑوسی کو پیٹ بھر کر نہ کھانا چاہئے جبکہ اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔

کسی شخص کا نیکوکار یا بدکار ہونا اس کے پڑوسی کی گواہی کے ذریعہ معلوم ہوگا۔ ایک شخص نے نبی کریم سے عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنی نیکوکاری و بدکاری کو کس طرح معلوم کرسکتا ہوں؟ حضور نے فرمایا۔ جب تم کسی کام کے بارے میں اپنے پڑوسیوں کو یہ کہتے ہوئے سنو تم نے اچھا کام کیا تو تمہارا کام اچھا ہے، اور۔ جب تم اپنے پڑوسیوں کو یہ کہتے ہوئے سنو کہ تم نے برا کیا ہے تو تمہارا وہ کام برا ہے۔ (ابن ماجہ)

برا کہے عالم اسے برا سمجھو

زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

ظاہر ہے کہ ان ارشادات وواقعات کا مقصد صرف واقعہ کا بیان نہیں بلکہ پڑوسیوں کے حقوق کی اہمیت کے اظہار کے لیے یہ بڑے مؤثر اور بلیغ عنوانات ہیں جن کا مدعا اور پیغام یہی ہے کہ اہل ایمان کے لیے لازم ہے کہ پڑوسیوں کے ساتھ ان کا برتاؤ اور رویہ شریفانہ رہے کہ ان کی طرف سے بالکل مطمئن اور بے خوف وخطر رہیں، دل ودماغ کے کسی گوشے میں بھی ان کے بارے میں کوئی اندیشہ یا کسی طرح کی کوئی فکر دامن گیر نہ رہے۔

اگر کسی مسلمان کا یہ حال نہیں ہے اس کے پڑوسی اس سے بے خوف اور مطمئن نہیں ہیں تو نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اسے ایمان کا مقام نصیب نہیں ہے "لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ" جنت میں اس شخص کا داخلہ ممنوع ہے جس کی شرارتوں اور ایذا رسانیوں سے اس کے پڑوسی مامون نہ ہوں۔ (مسلم شریف)

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے تین مرتبہ قسم کھا کر فرمایا خدا کی قسم وہ مؤمن نہیں خدا کی قسم وہ مؤمن نہیں خدا کی قسم وہ مؤمن نہیں۔ صحابہ نے دریافت کیا کون یا رسول اللہ تو آپ نے فرمایا کہ جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہیں۔ (مسلم)

پڑوسیوں سے محبت وتعلقات کی استواری کا ایک ذریعہ باہم ہدایا وتحفوں کا لین دین ہے، سرکار دوعالم ﷺ خود اپنی بیوی کو اس کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ اسی بنا پر ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے دو پڑوسی ہیں ان میں سے کس کو پہلے یا زیادہ ہدیہ بھیجوں آپ نے فرمایا جس کا دروازہ تمہارے دروازے سے زیادہ قریب ہو۔ (مشکوٰۃ)

ایک "توکل" صحابی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا. جب تم سالن بناؤ تو اس میں پانی زیادہ رکھو اور اپنے ہمسایوں کی خبر گیری کرو، یعنی صرف اپنی لذت کے پیش نظر سالن نہ بناؤ بلکہ ضرورت مند ہمسایوں کا بھی خیال رکھو اور ان کے گھر بھی سالن بھیجو۔

ہمسایہ کا ہمسایہ کے تعلق کو مستحکم وخوشگوار رکھنے کے لیے پڑوسیوں کے درمیان کچھ نہ کچھ صدقہ وتحفہ دینے لینے کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے اور اس کے لیے عمدگی اور اعلیٰ چیزوں کو مدنظر رکھنا چاہیے بلکہ کوئی تھوڑی وقلیل چیز ہو تو اس کو دینے لینے میں حقارت محسوس نہ کرے حضور ﷺ نے عورتوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے مسلمان عورتوں کوئی ہمسائی اپنے ہمسائی کے لیے ہدیہ وصدقہ حقیر نہ سمجھے اگر چہ بکری کا ایک کھر ہی ہو۔ (بخاری ومسلم)

ای مسلمان کی وت وشرافت کا یہ تقاضہ کہ خود را اور عیش و آرام سے ز گی بسر کرے اور اپنے ہمسائے کے رنج و اور گھریلو ضرور یات کی واہ کرے نبی کر کے ارشاد کے مطا مؤمن وہ جو خود شکم سیر ہو اور اس کا وسی اس کے پہلو میں بھوکا رہے اور وہ اس کے بھوکے ہونے سے خبر بھی ہو۔ رواہ بز ار وال طبر انی فی ا

اسلام کی ز ان حکمت کی ان تعلیم و ہدای سے ا ازہ ہو ہے کہ وسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا کیا مقام و تبہ ہے افسوس کہ محبت رسول کا دم بھرنے والے ہم مسلمانوں کی ز گی وطرز عمل اور رسول اللہ کے ارشادات میں اتنا بعد ہو گیا کہ کسی آشنا کو اس ت کا یقین کر مشکل ہے کہ یہ تعلیم و ہدای مسلمانوں کے کی ہو سکی ہے۔

غور کیجیے کہ سرکار دو عالم کے ان مبارک ارشادات میں اپنے ہمسا اں کے بھوک و پیاس کے مسئلوں سے واہ اور ان کی دیگر ضرور یات سے فکر ہو کر ز گی ارنے والوں کے لیے کتنی سخت وعید سنائی ہے لیکن افسوس کہ اس طرح کی حدیثیں ہمارے علمی و درسی حلقوں میں اب کلامی بحثوں اور علمی موشگافیوں کے ا رہو کر رہ جاتی ہیں۔ اگر ان حد اں کو ھ ین کر حیات انسانی کے ان تشنہ شعبوں کو در کرنے کی فکر دامن گیر ہو جائے تو انشاء اللہ ضرور وہ خوش گوار و سکون معاشرہ تشکیل ئے گا کو جس معاشرے کی تلاش ہے ور۔

لطف تو ۔ ہے کہ کردار بھی کروٹ لے
ور تو کرتے ہیں انگڑائی بہت

طبرانی کی معجم کبیر میں حضرت معاویہؓ حیدہ رضی اللہ عنہ کی ای روای ہے جس میں نبی کر نے وسیوں کے حقوق کا درس دیتے ہوئے فرما یا کہ وسی کا تم یہ حق ہے کہ ا وسی کسی بیماری میں ر ہو جائے تو اس کی عیادت وخبر گیری کرو، اگر اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے میں شر کرو اور اگر کسی ضرورت و ہ سے قرض مانگے تو اس کو قرض دو اور ا کوئی اکام کر بیٹھے تو دہ ثی کرو اور اگر اس کو کوئی نعمت ملے تو مبارک دو اور اگر کسی مصیبت کا شکار ہو جائے تو تعزی کرو اور اپنی عمارت کو اس کی عمارت سے اس قدر بلند کرو کہ اس کے گھر کی ہوا بند ہو جائے اور تمہارے ی کی مہک اس کے لیے ہو اور اس میں سے تھوڑا سا کچھ سالن اس کے گھر بھی بھیج دو یعنی اگر گھر میں کوئی لذی وخوش ذائقہ چیز بنے اس صورت میں تو اس کے گھر بھی کچھ سالن پہنچا یا پھر اس کی خوشبو وس کے گھر جائے۔

غور وفکر کا دائرہ وسیع کیجیے اور دل ودماغ کے دریچے وا کیجیے کہ کتنے حسین پیرائے میں پڑوس میں بسنے والے انسانوں کو متنبہ کیا ہے، کہ گھر کی دیوار اتنا بلند کرو جو ہمسائے کی ہوا کو روکنے کا سبب بن جائے، اور گھر میں پکنے والی خوب چیز کی مہک باہر جانے نہ دیئے کہ اس وجہ سے پھول جیسے ناسمجھ بچوں کے دل میں اس کی طمع ولالچ پیدا ہوگی جوان کے لیے نقصان دہ ہے یا پھر ان کے گھر بھی پہنچانے کا اہتمام کیا جائے۔

مذہب اسلام کے اس اصولی نقطۂ نظر سے بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ اسلام نے پڑوسیوں کے بارے میں کتنے نازک اور باریک پہلوؤں کی رعایت کو بھی ملحوظ رکھ کر اس کو ضروری قرار دیا ہے۔

امام غزالی علیہ الرحمۃ نے احیاء العلوم کے اندر ایک عجیب وغریب واقعہ ذکر کیا ہے کہ کسی کے گھر میں چوہوں کی کثرت ہوگئی تو کسی نے بلی پالنے کا مشورہ دیا کہ اس طرح چوہے تمہارے گھر سے فرار ہوجائیں گے تو گھر والے نے کہا کہ ”مجھے اس بات کا خطرہ ہے کہ بلی کی آواز سن کر چوہے میرے گھر سے نکل کر میرے پڑوس کے گھر میں چلے جائیں گے اور میں جو چیز اپنے لیے پسند نہیں کرتا وہی چیز اپنے پڑوسی کے لیے پسند کرنے لگوں؟ یہ مؤمن کی شان کے خلاف ہے۔

کہنے کو تو یہ مختصر سی بات ہے لیکن اس پر عمل کی توفیق اس وقت تک میسر نہیں آسکتی جب تک کہ انسان کا ایمان کامل نہ ہوجائے یہ صفت انسانی کمال کی ایک معراج ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا نفس پورے طور پر مدارجِ تہذیب طے کرچکا۔

* * *

مشرقِ وسطیٰ کے حوالے سے

سارے عالم میں بھڑکی آگ آج بھی بجھ سکتی ہے...

ا عز بلگامی

اس حقیقت سے بھی انکار کیا جاسکتا کہ بیت المقدس کا قضیہ یہودں اور عیسائیوں کے درمیان چھ سو سال سے چلا آ تھا۔ یہودں کی ریخ کے تعلق سے قرآن شریف میں سورۃ بنی اسرائیل اور دیگر آئی آیتوں سے پتہ ہے کہ ریخ میں د ران اللہ تعالیٰ کا عمومی غضب زل ہوا۔ حضرت سلیمانؑ کے دور میں ملک اسرائیل د کا ور جا تھا اور قوم بنی اسرائیل د کی قی یفتہ قوم۔ حضرت سلیمانؑ کے انتقال کے بعد عظیم اسرائیلی ری دو حصوں میں تقسیم ہوئی۔ پھر تقسیم در تقسیم اور قومی اور وطنی د داری نے ان کا شیرازہ دی۔ دوسری ران جو عذاب آی، اسے دو ہزار سال ہوگئے ہیں جس کے اثات موجودہ دور زائل ہوئے۔

آج سے دو ہزار سال قبل حضرت عیسیٰؑ کے دور میں اس ملک کی عظیم اکثری مشرک رومن اور زنطینی حکمرانوں کو اللہ نے مسلط کرد ی۔ حضرت زکری، حضرت یحیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی دعوت کے جواب میں یہودں نے اپنی رسومات اور اپنے خودساختہ قومی اور وطنی د کو چھوڑا۔ حضرت عیسیٰؑ کے تعلق سے انکا دعویٰ ہے کو ہم نے ا صولی لٹکا دی۔ نعوذ اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمای کہ ”تو یہودی حضرت عیسیٰؑ کو قتل کر سکے اور ا صولی دے سکے، بلکہ ہم نے ا شبہ میں ڈال دی... حقیقت یہ ہے کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف رفعت دی...“

اس واقعے کے بعد جو عذاب آی تو اللہ نے کروڑوں یہودں کا وں سے اور مشرکین سے اتنا قتل عام کرو ی کہ آج ساری د میں ای کروڑ بھی یہودی بچے۔ قتل عام کے علاوہ بیت المقدس جیسی عظیم اور مقدس مسجد کو مکمل طور آگ لگا کر تباہ اور راج کرو ی۔ یہودں سے فلسطین خالی کروا گیا۔ بچے کھچے یہودی د کے کونے کونے میں لاوارث زگی ارنے رہوئے۔ د میں ا کہیں چین سے آ دھونے کی ملی۔ اس درجہ حالی ہوئی کہ

یہودیوں کے ایک قبیلے کے بچے کھچے لوگ ہمارے ملک کے دور دراز کے حصے آسام میں بھی گمنامی کی زندگی گزار رہے تھے۔ اخبار بین طبقہ کو یاد ہوگا کہ ابھی دو سال پہلے ہی ان کو اسرائیل جانا نصیب ہوا۔

پھر دنیا نے یہ نقشہ بھی دیکھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی محنت کے نتیجے میں صرف چار سو سال کے اندر اندر آدھی دنیا حضرت عیسیٰؑ کے دین کو قبول کر چکی تھی اور عظیم سلطنت روما نے اسے اپنی مملکت کا ہی دین تسلیم کیا۔ یہ بات الگ ہے کہ پھر دو سو سال کے اندر اندر ان میں حضرت عیسیٰ کے خدا کے بیٹے ہونے کے عقیدے نے جگہ بنالی۔ عیسائیوں کے دلوں سے یہ بات کبھی گئی نہیں کہ یہ یہودی تھے جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انکی والدہ حضرت مریمؑ کے ساتھ برا سلوک کیا تھا۔ عیسائیوں کا جب دور آیا تو انہوں نے یہودیوں کا بھی جینا دوبھر کردیا۔ لیکن اسی دوران ساتویں صدی عیسوی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور عیسائیوں کے ساتھ یہودیوں کو بھی مسلم دنیا میں عزت اور امن کا مقام ملا۔ آج بھی یہودیوں کی تاریخی کتابوں میں یہ بات درج ہے اور انٹرنیٹ سے مطالعہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ پچھلے دو ہزار سالوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور انکے بعد کے دو سو سال ہمارے لیے سنہری دور رہے ہیں۔ ساری مملکت اسلامی میں ہمیں امن اور امان اور آزادی کی زندگی میسر ہوئی۔

یہودیوں پر عیسائی مظالم کم زیادہ جاری ہی تھے کہ بیسویں صدی کے آتے آتے یورپ کے عیسائیوں نے اپنے یہاں پناہ لیے ہوئے یہودیوں پر ظلم و ستم کی حد کردی۔ عیسائی جرمنی کے عیسائی ہٹلر نے یہودیوں پر انسانیت سوز ظلم و ستم کے وہ پہاڑ توڑے اور قتل عام کا وہ منظر اُبھارا کہ تاریخ کے جسم پر آج تک کپکپی طاری ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بعد میں عیسائیوں نے اس کا کفارہ ادا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اپنی جیب سے نہیں۔ بلکہ یہودیوں کو فلسطین میں ایک ریاست کی شکل میں لابسایا۔ تاکہ ان کے ظلموں کا کفارہ فلسطین، عرب اور دنیا کے سارے مسلمان ادا کریں۔ اس میں وہ کامیاب رہے۔ جبکہ انصاف کا تقاضہ تو یہ تھا کہ یہودیوں کو یورپ ہی میں کہیں ایک خوشگوار اور سرسبز و شاداب علاقے میں ایک الگ ملک بنا کر دے دیا جاتا۔ یہی چیز قرین انصاف ہوتی۔ جرمنی کی ہی کچھ اراضی تقسیم کی جاتی جس میں یہودیوں کو Accomodate کیا جاتا۔ یورپ نے اپنے اس ناجائز حمل کو فلسطین میں جا کر وضع کرنا پسند کیا۔

اب صورتحال یہ ہے کہ ایک بچہ ہے جو پیدا ہو چکا ہے، خواہ اس کی پیدائش کتنی ہی غیر قانونی

کیوں نہ ہو۔اب یہ ایک زمینی حقیقت ہے جس کا انکار اُسی طرح ممکن ہے جیسے کوئی دن میں سورج کا انکار کردے۔اب جب یہ بچہ پیدا ہی ہو چکا ہے تو اس کا محض غیرقانونی طور پر پیدا ہونا اس بات کو تو لازم نہیں کرتا کہ اس کا قتل کردیا جائے۔اس نوع کے کئی اور واقعات بھی تو ہوتے رہتے ہیں بلکہ ہو چکے ہیں۔جیسے اسی بیسویں صدی میں ہندوستان کی تقسیم ہوئی تھی اور پاکستان وجود میں آیا تھا۔پھر اسی پاکستان سے بنگلہ دیش کی ولادت ہوئی تھی۔اب جبکہ یہ دونوں ولادتیں ہو چکی ہیں تو کیا وقت اور زمانے کے پہیہ کو اُلٹا گھمایا جائے گا اور اسے ایک اصول ٹھہرا کر، ہندوستان کے ہندوؤں کو یہ حق دیا جائے گا کہ وہ پاکستان یا بنگلہ دیش کے نام ونشان کو زمین کے نقشے سے مٹا ڈالیں؟ کیا اس میں ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ لگے گا؟ حالات کو قبول کرنا ہی فطرت سے ہم آہنگی کا دوسرا نام ہے۔اِسی طرح اب یہ تحریک فضول ہوگی کہ اسرائیل کے وجود کو مٹادیا جائے۔مسلمانوں کے بعض سرکردہ افراد اِس کی نادانی کی بناپر یہاں اُسرائیل کر اِسے بہادینے کا خواب دیکھتے رہتے ہیں جبکہ وہ مشرق وسطیٰ کا سب سے زیادہ تعلیم یافتہ ملک اور سائنس و ٹیکنالوجی کے ماہرین کی فوج کے ساتھ ایک زبردست عسکری طاقت بن چکا ہے جس کے پاس ایٹم بم بھی ہے۔

اہلِ کتاب سے اور خصوصاً عیسائیوں سے تعلقات کا مسئلہ تاریخ میں سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبل از ہجرت ہی حبش میں پیش آیا تھا جو آج ایتھوپیا کہلاتا ہے۔دوسرا قابلِ ذکر واقعہ وہ جو دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نجران کے عیسائیوں کے وفد کی ملاقات کے موقع پر پیش آیا تھا۔ہم یہاں احادیث کی کتابوں سے وہ مشہور تاریخی دستاویز نقل کرنا چاہیں گے،جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں کو خود ہی عنایت فرمایا تھا اور یہی قیامت تک عیسائیوں سے معاملات طے کرنے کے لیے ہمارے لیے مشعل راہ ہوگی۔اس سے انحراف نہ صرف مسائل میں شدت پیدا کرنے اور عظیم تباہی و ذلت کا سبب بنے گا، بلکہ دینی اعتبار سے آخرت کو بھی داؤ پر لگانے کے مترادف ہوگا، کیونکہ یہ انحراف، سنتِ نبوی سے انحراف ہوگا۔

”نجران کے عیسائیوں اور ان کے ہمسایوں کے لئے اللہ کی پناہ اور اللہ رب العالمین کے نبی اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری ہے۔ان کی جانوں کے لیے، ان کے مذہب کے لیے، ان کی زمین کے لیے، ان کے اموال کے لیے، ان کے حاضر و غائب کے لیے، ان کے اونٹوں کے لیے، ان کے قاصدوں کے لیے اور ان کے مذہبی نشانات کے لیے، سب کے لیے۔جس حالت پر وہ اب تک ہیں، اسی پر بحال رہیں گے۔ان کے حقوق میں سے کوئی حق اور نشانات

میں سے کوئی نشان نہ ہٹایا جائے گا۔ ان کے کسی اسقف کو مذہبی ی کو اس کی اسقفیت سے، اور کسی راہب کو اس کی رہبانیت سے اور کسی خادم کلیسا کو اس کی خدمت سے نہ ہٹایا جائے گا۔ خواہ اس کے ہاتھ کے نیچے جو کچھ ہے وہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔ ان پر عہد جاہلیت کے کسی خون یا عہد کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ ان کو فوجی خدمت کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ اور ان کی زمین کو کوئی لشکر پامال نہ کرے گا۔ اگر کوئی شخص ان کے خلاف کسی حق کا دعویٰ کرے گا، تو فریقین کے درمیان انصاف کیا جائے گا۔ نہ اہلِ نجران ظالم بن سکیں گے اور نہ اُن پر ظلم ہوگا۔ جس شخص نے اس سے پہلے سود لیا ہو، اُس کی ذمہ داری سے میں بری ہوں۔ ان میں سے کسی شخص کو دوسرے کے گناہ میں نہ پکڑا جائے گا۔ اس صفحہ میں جو کچھ درج ہے اُس کے لیے اللہ کی پناہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری ہے ہمیشہ۔ یہاں تک کہ حکم آئے اللہ کا۔ بشرطیکہ وہ خیر خواہ رہیں گے اور اپنے حقوق کو ادا کرتے رہیں گے جو اُس معاہدے کی رو سے اُن پر عائد ہوتے ہیں۔‘‘ (سیرت طیبہ اور احادیث شریف کی مختلف کتابوں سے)۔

آثارِ صحابہؓ کو دیکھا جائے کہ معاملہ کس طرح اہمیت کا حامل بنتا ہے۔ قدس کا مسئلہ تاریخ میں سب سے پہلے حضرت عمر بن خطابؓ کو ۱۵ھ میں پیش آیا تھا۔ انہوں نے جس ایمانی بصیرت سے اس معاملے کو ہینڈل کیا تھا وہ تاریخ کا روشن باب ہے۔ بیت المقدس کے عظیم پادری کے نسطوری راہبوں سے کئے ہوئے حضرت عمر بن خطاب کے عہد و پیماں کو اگر دوبارہ لاگو کیا گیا تو فلسطین میں امن و امان قائم ہونا ممکن ہے۔ قدس کی مقدس سرزمین انسانی خون سے رنگین ہوتی رہے گی۔ ہم تاریخ کی کتابوں سے اِس عظیم معاہدے کو یہاں دیدۂ عبرت نگاہ کے لیے نقل کر رہے ہیں:

’’یہ وہ امان ہے جو اللہ کے غلام امیر المومنین عمر بن خطاب نے ایلیا (اس زمانے میں فلسطین کا نام) کے باشندوں کو دی۔ یہ امان اُن کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہبی فرقوں کے لئے ہے۔ اس طرح کہ ان کے گرجاؤں پر قبضہ کیا جائے گا۔ نہ وہ ڈھائے جائیں گے۔ نہ اُن کو اُن کے احاطے کو کوئی نقصان پہنچایا جائے گا۔ نہ اُن کی صلیبوں اور نہ اُن کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے بارے میں اُن پر جبر کیا جائے گا۔ نہ اُن میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ ایلیا میں اُن کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے۔ ایلیا والوں پر یہ فرض ہے کہ اور شہروں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں کو وہاں سے نکال دیں۔ ان یونانیوں

میں سے جو شہر سے نکلے گا اُس کی بھی جان اور مال کو امن ہے۔ تا آنکہ وہ اپنے محفوظ جائے پناہ میں پہنچ جائیں۔ اور جو ایلیا ہی میں رہنا چاہے، تو اس کو بھی امن ہے اور ۔ یہ دینا ہوگا۔ اور ایلیا والوں میں سے جو شخص اپنی جان اور مال لے کر ۔نیوں کے ساتھ چلا جا۔ چاہے، تو ان کو اور ان کی ۔جاؤں کو اور ص۔یوں کو امن ہے یہاں۔ ۔کہ وہ اپنی محفوظ جائے پناہ ۔پہنچ جائے۔ اور جو کچھ اس معاہدے میں تحر۔ ہے اس ۔ ۔اکا، رسول ۔اکا، ۔ء کا اور تمام مسلمانوں کا ذ۔ ہے، بشرطیکہ یہ لوگ ۔ یہ مقررہ ادا کرتے رہیں۔ اس تحر۔ گواہ ہیں خالدؓ ۔الو۔، ۔وؓ ۔العاص، عبدالرحمٰنؓ ۔عوف اور معاویہؓ ۔ا۔سفیان، اور اِسے ۔ھ میں لکھا گیا۔"

یہاں ۔ہم وہ مشہور واقعہ نقل کر۔ گے اور اُس گفتگو کا بھی حوا۔د۔ گے جو بیت المقدس کے عظیم ۔چ میں ۔سطوری راس۔ اور حضرت ۔ابنِ خطاب کے درمیان ہوئی تھی۔ معاملہ اِس قدر ۔زک تھا اور انسانی ۔ریخ ۔اس کے اس قدر گہرے ا۔ات ۔۔ہونے والے تھے کہ اس کے لیے حضرت ۔نے بنفسِ ۔مدینہ طیبہ سے اتنی دور کا سفر کر کے تشریف لا کر اِس معاہدہ سے خود کو وابستہ کر۔ ضروری سمجھا تھا۔ حضرت ۔ کی سیرت ۔لکھی جانے والی تمام کتا۔ں میں اس واقعہ کا ذکر موجود ہے۔ کہتے ہیں کہ ۔چ میں خود حضرت ۔ تشریف رکھتے ہیں۔ نمازِ ۔کا وقت ہوا۔ بشپ نے عرض کیا کہ آپ یہیں ۔چ میں نماز ادا کر لیجیے۔ حضرت ۔نے فرما۔ کہ، ۔۔اَ۔میں اس طرح کر۔ ہوں تو مسلمان کسی دن اِسی کو بہا۔ بنا کر ۔چ کو تم لوگوں سے خالی کرا لیں گے۔ پھر آپ نے بشپ کو یہ تحر۔ بھی دی کہ یہاں کوئی نماز۔ ۔ادا ۔کی جائے گی اور ۔ہی یہاں اذان دی جائے گی۔ ا۔انہوں نے اس کا ۔پلکس میں ا۔علیحدہ مسجد کے خیال کا اظہار فرما۔ جو ۔چ سے کچھ فاصلے ۔ہو۔ خود بشپ نے مشورہ د۔ کہ اس "صخر۔ہ" ۔یعنی اُس ٹیلے ۔بنالی جائے۔ چنانچہ آپ نے لوگوں کو حکم د۔ کہ ٹیلے کی صفائی کی جائے اور خود بھی ۔ں مز۔دوروں کے ساتھ ا۔ مز۔دور کی طرح کام کیا۔ ا۔اللہ، آج بھی اِسی ۔ ۔'مسجدِ ۔' موجود ہے۔ واضح رہے کہ اس واقعہ کے چھ سو سال قبل عیسائیوں کا غلبہ ہونے کے بعد سے یہود۔ں کا یہاں داخلہ بند تھا۔ حضرت ۔ کی تشریف آوری کی ۔ ۔سے یہود۔ں کو بھی یہاں داخلہ ملنے لگا جس کا ۔کرہ یہود۔ں کی ۔ریخی کتب میں ملتا ہے۔ ۔وفیسر فضل احمد کی حضرت ۔کی حیات ۔لکھی کتاب اور نجیب اکبرآ۔دی کی ۔ریخ اسلام سے ماخوذ۔۔

بطورِ حاصلِ کلام ہماری ۔ارش یہ ہے کہ بیت المقدس کے کا۔پلکس کو حضرت ۔ کے مذکورہ

معاہدے کے اعتبار سے □ الگ الگ حصوں میں□ □□ جائے۔اس کا مکمل نظم وانصرام ادارۂ اقوام متحدہ اپنے□تھ میں لے کر تینوں حصوں میں تینوں ہی مذاہب□ کے عملے کے ذریعہ اس کا انتظام چلائے۔ بیت المقدس کے علاقہ کو اقوامِ متحدہ کے ز□ نگرانی □□ جائے، کسی خاص ملک کے تحت □ ۔ر□ مسئلہ□ وشلم شہر کا، تو اِس شہر کو بھی ا□ اقوام متحدہ کی Territory بنادی جائے اور اِسی کے ز□ انتظام لا□ جائے تو انشاء اللہ پھر□ وشلم کو لے کر کسی مسئلہ کا کوئی وجو□ قی □ رہے گا۔

تیسرا مسئلہ ''فلسطین'' کا مسئلہ ہے۔ ہر مسئلے کا حل ایما□اری ہے جو فریقین کے ساتھ ساتھ □لثوں میں بھی ہو۔اِس کا حل یہ ہے کہ ایما□اری کے ساتھ اقوام متحدہ کی تجو□ نمبر□□□ کو لاگو کرتے ہوئے □□□□ء کے پہلے کی □زیشن کو بحال کیا جائے۔ ہر ملک کی فوج کے ذریعہ غصب کیے گئے□ علاقے کو خالی کرا□ جائے۔اقوامِ متحدہ،□رو□ ممالک اورا□یکہ کے□ؤ کے نتیجے میں فلسطین کی جو آزا□ی □آزادر□ی □ عالمِ وجود میں آئی ہے،□ں □سی استحکام کی کوششیں □□ کی جائیں □ں، یہ□ت کہنے میں کوئی □ □ ہونی چاہیے کہ اسرائیل کو تسلیم □کرنے کی ضد سے اسرائیل د□ سے غا□ □ ہونے والا □ ہے۔اِس کے وجود کو، جو ا□ Ground Reality ہے، تسلیم کرتے ہوئے ا□□ □ جنگ معاہدے'' کی فریقین سے□ بندی کروائی جائے۔اِسرائیل کو بھی اِس □ت کا□ بند بنا□ جائے کہ اِس کے علاقے میں بسنے والی اقلیتوں خصوصاً مسلمانوں اور عیسائیوں کو مکمل آزادی، □وی شہری اور □ری حقوق دے اور اس کی سختی سے □بندی کرے۔اِن معاہدات کی□ بندی کی نگرانی کے لیے ا□□ اِ □رعالمی کمیٹی، جس کے□ س اپنے فیصلے□ فذ کرنے کی قوت بھی ہو، تشکیل دی جائے جو مسلمانوں، عیسائیوں اور یہود□ں کی □ں نمائندگی کرنے والی ہو اور مستقبل میں رونما ہونے والے تمام □ئل واُمور اسی کمیٹی سے رجوع کیے جائیں۔ان □ارشات □ عالمی سطح □ مذاکرات مفید ہوں گے۔□ مسئلہ یہ ہے کہ اقوام متحدہ ایما□اری سے اپنے فرائض نبھائے اورا□یکہ اور□رو□ ممالک اپنے رویے میں لچک لائیں۔ اسرائیل کو □انصافی سے روکیں۔ساتھ ہی مسلم ممالک، خصوصا عرب اورا□ان بھی اب فلسطین کے معاملے میں اپنی □ □ □کھیل کر امت□ کو م□□ نقصان سے بچائیں۔

ہمیں امید تو □ کہ مسلمان جو کربلا کے واقعات کے بعد سے کسی بھی مسئلے □متحد □ ہو سکے ہیں، اِس تجو□ کو مان لینگے۔ □ ہم کو بہر حال حق گوئی کا اپنا فر□ ادا کر□ ہے۔ہماری □ارشات ا□ وثواب کی خاطر ہیں۔اِسرائیلی و فلسطینی شورش ہو□ ٹیررزم کا منظر□ □، ہمارا یہ □

متزلزل یقین ہے کہ قرآن و سنت حضرت ؓ کے فیصلوں سے روشنی حاصل کیے کبھی ئیدار امن کے حصول میں د کامیاب ہو سکے گی۔ وما توفیقی الا اللہ۔ حضرت ؓ ا خطاب سے والے وپ کے اسرائیل کے خلاف ا ل ا بی ات اور تقار ی کی وجہ سے مشرق وسطیٰ میں ب تیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اقوام عالم میں جگ ہنسائی ہوتی ہے اور اسرائیل کو تقو حاصل ہوتی ہے۔ امن کی کوششوں کو د ہے۔

ہمارا اصرار ہے کہ د اسرائیل سے طہ توڑ لے۔ مسلم ممالک نے بظاہر تو اسرائیل سے طہ توڑ ر ہے۔ لیکن حقیقت حال کچھ اور ہی ہے۔ اردو میڈ حق ہے کہ وہ اپنے قارئین کو صورت حال سے واقف کرائے۔ دراصل پچھلی صدی میں روپ میں ظلم و سہنے کے وجود یہود ں نے علوم، سائنس اور لوجی میں حیرت ا قی کی۔ کے ظلم و کے دوران ا یکہ ہی ان کی واحد پناہ گاہ تھی جہاں وہ سارے روپ سے آتے رہے۔ پچھلی صدی کے سا انوں میں یہود ں کی تعداد پچاس فیصد سے بھی ز دہ ہے۔ قی پچاس فیصد میں روپ و ا یکہ اور ساری د کے سا ان شمار ہوتے ہیں۔ مشہور نوبل انعام میں سائنس میں مات کے لئے پچھلی صدی سے جو انعام دئے جا رہے ہیں اس میں یہودی سائنس دانوں کا ساٹھ فیصد حصہ ہے۔ کا کاری اور مصنوعی طور سے فصل اگانے اور کسی بھی طرح کی زمین میں مطلوب پیداوار کس طرح سے لی جائے، اس کا علم یہود ں نے د کو ئی فصلیں، ں، دو دو سو لیٹر دودھ ا وقت میں دینے والے مویشیوں کی نسل کی سائنس بھی ا کی ہون ہے۔ ملک اسرائیل کے قیام کے بعد چاروں طرف سے اپنے سے کئی گنا ز دہ حریف ملکوں کے درمیان کس طرح اپنا دفاع کیا جائے، کس طرح اپنے ہوائی جہازوں کو ئی ہونے سے بچا جائے، کس طرح فوجی تیا یاں کی جائیں، کس طرح کو منظّم کیا جائے، کس طرح ری آ دی کو ہی جنگ کے فن سے بہرہ ور کر جائے، د ان سے ہی سیکھ رہی ہے۔ جن ممالک کے بظاہر اسرائیل سے تعلقات ہیں، انکے بھی اسرائیل سے کئی امور معاہدے ہیں۔

ذاتی طور سے بھی ہم لاکھ بچنے کی کوشش کر ، لیکن . ہمیں صرف اپنے دشمن کی ہی دوکان میں ہماری ضرورت کا مال منا دام میں مل ہوگا، تو کیا وجہ ہے کہ ہم گے۔ یہی معاملہ ملکوں کے درمیان ہے۔ ا ان اور چند عرب ممالک کے س کی دو ضرور ہے لیکن ہمیں یہ بھی معلوم ہو چاہئے کہ اس زمین کے خالق نے د کے ہر کونے میں ز زمین

کے ذخیرے رکھے ہیں۔ روس میں سائبیریا کے پھیلے علاقے میں زیرِ زمین تیل اور گیس کے
عربوں سے بھی زیادہ بڑے ذخیرے ہیں۔ کینیڈا اور امریکہ کی زمین کے نیچے بھی تیل بھرپور مقدار
میں موجود ہے۔ ہمارے ملک میں آسام اور گجرات میں بہت ذخیرہ پڑا ہوا ہے۔ بمبئی ہائی میں بحر
ہند کے پانی کے نیچے سارے ہندوستان کی ضرورت کی گیس موجود ہے۔ پھر سوال یہ ہے کہ لوگ
کیوں عربوں سے تیل خرید رہے ہیں؟ دراصل تیل ایک قدرتی چیز ہے جس کے ذخیرے ایک نہ
ایک دن ختم ہونے ہی ہیں۔ عربوں کے پاس تیل کے سوا کوئی ایک چیز بھی ایسی نہیں جو وہ دنیا
میں بیچ سکیں۔ اسی لئے ان ممالک کی معیشت کا انحصار ہے۔ ا[illegible] تیل فروخت کرنے کے سوا کوئی
چارہ ہی نہیں ہے۔ عرب دنیا میں تیل نکالنے کا خرچ کم آتا ہے اور اپنے ملک کے تیل کو نکالنے کے
بجائے عربوں سے خریدنا سستا پڑتا ہے۔ دوسرے یہ کہ عربوں کے تیل پر چار امریکی کمپنیوں
کی اجارہ داری ہے۔ تیسرے یہ کہ عالمی سطح پر تیل کی قیمت امریکی کمپنیاں طے کرتی ہیں۔ عرب
اپنے ذخیروں سے ملنے والی رائلٹی پر ہی مطمئن ہیں۔ حد یہ کہ ایران دنیا میں کچا تیل برآمد کرنے
والے ملکوں میں صفِ اول میں ہے۔ لیکن یہی ایران تیل کے معاملے میں اتنی بھی ترقی نہ کرسکا کہ
اپنے تیل کو ریفائن کر سکے۔ چنانچہ مشرق وسطیٰ میں پٹرول اور پٹرولیم مصنوعات کا سب سے بڑا
درآمد کرنے والا ملک بھی یہی ایران ہے۔ بارہا امریکی اور یہودی سامان کے بائیکاٹ کی اپیل کی
جاتی ہے اور بارہا یہ نسخہ فیل ہو جاتا ہے۔ اس طرح ہمارے دشمنوں کو مسکرانے کا موقع ملتا ہے۔

ایک میڈیم درجہ آمدنی والا شخص بھی اپنی زندگی میں تقریباً چھ سو اشیاء کی چیزوں کا استعمال
کرتا ہے۔ مثلاً [illegible] کے جوتے، [illegible] کی دوائیاں، [illegible] کی غذائی اجناس
وغیرہ۔ ان تمام اشیاء میں ایک بھی [illegible] مسلم [illegible] ہے اور ان اشیاء کی ساٹھ فیصد کمپنیاں
یہودیوں کی ہیں یا انکے سرمائے سے چلتی ہیں۔ [illegible] ان میں بڑی تعداد میں ہندوستان،
پاکستان، بنگلہ دیش اور فلسطین کے علاوہ یمن اور [illegible] کے مسلم ورکرس جاب بھی کر رہے ہیں۔
ضرورت اس بات کی ہے حالات حاضرہ سے بھی روشناس رہتے ہوئے [illegible]روں کے بیانات،
اخباروں کی سرخیاں اور تحریکوں کی ہلچل ہوتا کہ ہماری اپنی عوام حالات سے باخبر رہے اور اپنے
شعور کے ساتھ آئندہ کا نقشہ تیار کرے تاکہ حالات بدلیں۔

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

ذہن بچوں کی کا ا تعلیم مسئلہ

از محمد شاہ نواز عالم قاسمی
جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی

ہر ماں پ کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کا بچہ ھ لکھ کر قابل جائے کیا ہر بچہ ماں پ کی خواہش را ہے؟ ا ہر ہے، بعض بچے تو ذرا سی توجہ سے اچھے اچھے نتائج حاصل کر لیتے ہیں کچھ بچے ا بھی ہوتے ہیں جو اچھے اسکول میں اور ٹیوشن حاصل کرنے کے وجود بھی لکھنے میں پیچھے رہ جاتے ہیں، ا بچوں ا خصوصی توجہ دی جائے تو وہ دوسرے ذہین بچوں کی طرح نتائج حاصل کر سکتے ہیں۔

عام طور دیکھا یہ گیا ہے کہ ذہن بچوں خصوصی توجہ دینے کے بجائے، اُن کے والد اُن کے اسا ہ اُنھیں مختلف قسم کے القاب سے نوازتے رہتے ہیں، مثلاً یہ بچہ تو لا واہ ہے، جانے اُس کا دھیان ہر وقت کدھر رہتا ہے، و تو یہ خوب ہے، دوسروں کی شکایتیں بھی خوب کر ہے، کھیل کود میں بھی کسی سے پیچھے ، لڑ بھڑ بھی رہتا ہے ھائی کے وقت جانے اُسے کیا ہو جا ہے۔

کبھی ماں اپنے دیگر رشتے داروں بچے کے دو ں کے سامنے یہ فقرے بھی دہراتی نظر آتی ہے کہ اُس نے ہماری ک کٹوا دی ہے، اب ا تم فیل ہو گئے تو درکھنا میں آنٹی کے ں لے کر جاؤں گی، دیکھو شرم کرو، ھارا ں دو کتنے اچھے نمبر لے کر س ہوا ہے اور ا تم ہو، نکمّے، نکور، آ تم کو عقل آئے گی.... و ہ و ہ۔

ا کرنے والے اسا والد کا شا یہ خیال ہو ہے کہ اس طرح ڈا ڈ سے اُن کا بچہ کچھ ا لے گا اور ھائی کی طرف دھیان دے گا یہ ان کی خام خیالی ہے، اِن توں کا تو بچے کی منفی ا ہی ہے۔ وہ تی اور عدم تحفظ کا شکار ہو جا

ہے، اس کے اثرمنفی مختلف پہلوؤں سے اجاگر ہونے شروع ہوجاتی ہیں وہ تنہائی پسند ہوجاتا ہے اس میں چڑچڑا پن پیدا ہوجاتا ہے۔ اکثر ایسے بچوں کو ان الفاظ دہراتے ہوئے سنا گیا کہ "ان میں برا ہوں، اللہ کرے، میں مرجاؤں۔"

اگر آپ کے بچے میں مذکورہ بالا خصلتیں پائی جاتی ہیں تو آپ اپنے بچے کو قصوروار مت ٹھہرائیں، اس کی اِس کیفیت میں عقلی شعور کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس کا قصور صرف اتنا ہے کہ وہ تمام سوچ اور کوششوں کے باوجود کچھ نہیں کرپاتا جو آپ کی خواہش ہے، ایسے بچے میں سیکھنے کی عدم صلاحیت قدرتی طور پر رکاوٹ بنتی ہے اور جو چیز بچے میں قدرتی طور پر کم پائی جاتی ہو اس کا نعم البدل مختلف طریقوں سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

۱۹۶۳ء میں نیویارک میں بچوں کے والدین کا ایک اجلاس ہوا جس میں "آموزشی دشواریاں" کی اصطلاح سامنے آئی جس کا تعلق ان بچوں سے تھا جن کی ذہنی استعداد تھی تو عام بچوں کی طرح مگر ان کو اپنا سبق یاد کرنے میں عارضی و معمولی دشواری محسوس ہوتی تھی۔

بچوں میں پائی جانے والی آموزشی دشواریوں کی چند اقسام یہ ہیں: (۱) یاد کرنے میں دشواری (۲) سمجھنے میں دشواری (۳) لکھنے میں دشواری (۴) ازخود کسی مسئلے کو حل کرنے میں دشواری (۵) کتاب لے کر بیٹھنے کے باوجود طریقے سے سمجھنے میں دشواری۔

اگر یہ علامتیں بظاہر ایک صحت منداور نارمل بچے میں پائی جائیں تو والدین کو چاہیے کہ ان بچوں کے ساتھ اپنے رویہ میں مندرجہ ذیل احتیاط برتیں:

(۱) ان بچوں کا کسی دوسرے بچے سے موازنہ نہ کریں۔

(۲) بچے کو ہر وقت ڈانٹ ڈپٹ نہ کریں۔

(۳) ان کے بارے میں نفرت کا لہجہ اختیار نہ کریں اور خاص طور پر اُن کی کمزوری کو ہرگز نظرانداز نہ کریں۔

تھوڑی سی توجہ سے آپ کا وہ بچہ جسے آپ کند ذہن سمجھتے ہیں، دوسرے بچوں کی طرح اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کرسکتا ہے لہٰذا آپ کو چاہیے کہ آپ وقت ضائع کیے بغیر اسے کسی اچھے ماہر نفسیات کو دکھائیں اور دیندار تجربہ کار بزرگ عالم ومفتی سے مشورہ کریں تاکہ مناسب تشخیص کے بعد بچے میں موجود آموزش کی دشواریوں کو خصوصی تراکیب کی مدد سے اگر ختم نہیں تو کم کیا جاسکے اور آپ کا بچہ بھی زندگی کا سفر بہتر طریقے سے طے کرے۔ یاد رکھیے! وہ بچہ جس کا ذکر ہم

او کر چکے ہیں خصوصی توجہ کا طالب ہوتا ہے، اگر آپ مصروف ہیں تو مصروفیات ترک کر کے اس کو خصوصی توجہ دیں یہ آپ کا دینی اور معاشرتی فرض ہے۔

کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ بچہ کے غبی ذہن ہونے کی کوئی دوسری وجہ نہیں ہوتی بلکہ گھر کے افراد لاڈ پیار میں اس کم سن کو کچھ نہ کچھ ہر وقت کھلاتے رہتے ہیں، بزرگوں نے لکھا ہے کہ کم سن بچہ زیادہ کھائے تو اس کا حافظہ خراب ہونے کا ڈر رہتا ہے۔

ہم لوگ ڈانٹ ڈپٹ تو کر لیتے ہیں اسے غذا یا خوب چیز دینے میں تناسب کا خیال نہیں رکھتے، حالانکہ ذرا سی اپنے نظام کی تبدیلی سے ساری شکایت دور ہو سکتی تھی اور اِس کی خاطر خواہ مخواہ اس سلسلے میں ڈاکٹروں کا چکر لگانے میں اپنا نظام درہم برہم کرتے۔

غبی ذہن بچوں کی تعلیم

جو بچہ غبی ذہن اور کمزور دماغ کا ہو اس کا علاج علم ہے، عقل کو لگے ہوئے زنگ کو علم ہی دور کرتا ہے، اس کی تعلیم کی طرف سے ہرگز غفلت نہ برتی جائے بلکہ کوشش کر کے حکمتِ عملی سے کام لے کر اُس کو اس میں لگا دے۔ اِس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے سامنے مختلف قسم کی چیز پیش کرے، ان کے متعلق سوالات کر کے اس کی خوبیاں اور برائیاں بیان کرے، تھوڑا سبق دے اور اس کو اچھی طرح ذہن نشین کرا دے اور جب وہ پختہ ہو جائے آگے بڑھائے۔ اس میں اتنی بات ضرور ہے کہ تعلیم دینے والے کو محنت اور دماغ سوزی زیادہ کرنی پڑے گی اور وہ ایک سیر علم پائے گا تو پاؤ بھر جتنا فائدہ ہوگا لیکن ہوگا ضرور اور اس امید بھی کی جا سکتی ہے کہ آگے چل کر اس کا دماغ کھل جائے اور وہ ایک ذہین بچہ بن جائے۔

بچوں کی حالتیں وقتاً فوقتاً بدلتی رہتی ہیں، ممکن ہے کہ جو بچہ بچپن میں غبی ذہن ہو وہ آگے چل کر بے حد ذہین بن جائے اور ذہین بچہ ایک دم غبی ذہن بن جائے لہٰذا نا امید ہو کر بچے کی تعلیم کو موقوف نہیں کرنا چاہیے۔

☆ ☆ ☆

ا یل فل ای گندی رسم

از　محمد عظیم قاسمی　آ دی

مغرب کی تقلید کے ا ق نے ہمارے معاشرے میں جن ائیوں اور جس طرح کے رسم ورواج کو جنم د اس میں سے بعض رسومات ا ہیں جو شمار گناہوں مشتمل ہیں ان میں سے ای رسم ''ا یل فل'' کی ہے، جو جھوٹ دھوکہ، فری دغا، اور ای ا رسانی کے علاوہ بہت سے جا اور گناہ کبیرہ مشتمل ہے۔ مغربیت کی تقلید کی رو میں سوچے سمجھے بہہ جانے کا شوق جن لوگوں کو دامن گیر ہے ا ں نے اس م اور گندی رسم کو ے شوق سے قبول کیا۔ اس رسم کے نظر پہلی ا یل کو جھوٹ ل کر لوگوں کو دھوکہ دینا، وقوف بن خو اور ا کمال تصور کیا جا ہے جتنی چالاکی رت اور جتنی صفائی کے ساتھ جھوٹ ل کر دوسرے کو جتنا ا دھوکہ و فری دے لے اتنا ہی کمال اور ا یل فل سے لطف ا وز ہونے والا شمار کیا جا ہے۔ اور مذ اقی کی حد یہ کہ اس گناہ بلکہ مجموعہ گناہ کو مذاق سے تعبیر کیا جا ہے، جو خود ای گناہ ہے اور جو جانے کتنے انسانوں کے لیے ہلا کا سب اور مالی نقصان کا بنتا ہے۔

ا انسان سنجیدگی سے غور کرے تو اس سے اجتناب اور اس کے ک کر دینے کے لیے اس اس مذاق کا صرف ای یعنی ''کذب'' کی شنا وقبا ہی کافی ہے جس کے رے میں خود فرمان نبوی ہے ''الصِّدْقُ يُنْجِيْ وَالْكِذْبُ يُهْلِكُ'' کہ سچ نا فوز و ح کا جس میں انسان کی کامیا سربلندی وسرفرازی مضمر ہے اور اس کے لمقابل جھوٹ انسان کی ہلا اور د وآ ت کی رسوائی کا ہے۔ ای موقع سرکار دو عالم نے ارشاد فرمایا ''اَلصِّدْقُ طَمَانِيَةٌ وَالْكِذْبُ رِيْبَةٌ'' کہ سچ اطمینان کا جبکہ جھوٹ اطمینانی و قراری کا مو ب ہے۔ اس حقیقت سے بھی کوئی شخص آشنا ہے کہ را ز انسان ہمیشہ قابل اعتماد ہو ہے، جبکہ جھوٹ کا سہارا لینے والا خلجان و لمش کا شکار ہو ہے۔ مسند احمد کی ای روای میں ہے

”اَلْکِذْبُ یَنْقُصُ الرِّزْقَ“ کہ جھوٹ بولنا رزق کو کم کردیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جھوٹے آدمی سے انسان معاملات و معاہدہ کرنے میں اجتناب کرتا ہے جو انسان کے رزق کا سبب اور ذریعہ معاش ہے۔ نیز جھوٹ بولنے کی وجہ سے ہر وقت بے اطمینانی رہتی ہے جو چہرے کی ایمانی رونق کو بھی ختم کردیتا ہے اسی لیے بیہقی کی ایک حدیث میں ”اَلْکِذْبُ لَیَسَوِّدُ الْوَجْہ“ کہا گیا ہے کہ جھوٹ چہرے کو بے رونق کردیتا ہے، کیونکہ جھوٹے کے چہرے پر ہوائیاں اڑتی ہیں اور ایک جھوٹ کو مدلل کرنے کے لیے سو جھوٹ کا سہارا لینا پڑتا ہے، نیز جس سے جھوٹ بولا اس کا سامنا کرنے سے حیاء وشرمندگی کی وجہ سے جھوٹ بولنے والے کا چہرہ بھی بے رونق ہوجاتا ہے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ۔ جب کوئی انسان جھوٹ بولتا ہے تو اس کے منہ سے ایسی بدبو آتی ہے کہ فرشتہ اس کی بدبو سے ایک میل دور بھاگتا ہے یہ تو ایک برائی اور گناہ ہے نبی کریم ﷺ نے بطور مثال جس کا ذکر کرہ فرمایا ورنہ تو ہر گناہ و جرم کے ارتکاب سے ایسی بدبو پھیلتی ہے کہ اللہ کی پاکیزہ اور مقدس مخلوق یعنی فرشتے اس کی بدبو اور عفونت سے میلوں دور بھاگتے اور نفرت کرتے ہیں اسی وجہ سے حدیث پاک کے اندر جھوٹوں کو ملعون قرار دیا گیا ہے۔

غور کیجئے کہ ایک گناہ کی نحوست اور اسکا ثمرہ ونتیجہ یہ ہے تو اس گناہ کا کیا حال ہوگا جو بیک وقت جھوٹ دھوکہ فریب اور ایذاء مسلم کا مجموعہ ہو اور اس کا ارتکاب کرنے والا کتنا بڑا اور دو ملعون ٹھہرے گا، سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ”وہ شخص ملعون ہے جو کسی مومن کو دھوکہ دیئے اور مکر وفریب سے اس کو مصیبت و پریشانی میں مبتلا کرے“۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ چار طرح کے لوگوں سے علم حاصل نہ کرو ان میں سے ایک جھوٹ بولنے والا بھی ہے۔ جھوٹ بولنا منافق کی علامت قرار دیا گیا ہے، اور جھوٹ بولنے والا ہمیشہ ہمیش کے لیے ناقابل اعتماد اور غیر معتبر ہوجاتا ہے پھر اس کی سچی و سچی بات بھی جھوٹ کے زمرے میں شمار کی جانے لگتی ہے۔ دینی تو دینی دنیوی امور بھی اس کی رائے اور اس کی بے توجہی کا شکار ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ اس رسم کی انجام دہی بعض اوقات جانی و مالی نقصان اور ذہنی الجھن میں بھی طرح مبتلا کردیتی ہے اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ”مذاق“ کا ایک جھوٹ کس کس طرح کی اور کتنی برائیوں کو جنم دیتا ہے اور اس رسم کے کسی بھی پہلو سے کسی بھی طرح کا کوئی خیر تلاش نہیں کیا جاسکتا۔

رہی یہ بات کہ اس رسم کی ایجاد اور ابتداء کیسے اور کہاں سے ہوئی؟ اس سلسلے میں مؤرخین

کے بیانات مختلف ہیں۔ حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب نے لکھا ہے کہ بعض مصنّفین کے بیان کے مطابق فرانس میں سترھویں صدی سے پہلے سال کا آغاز جنوری کے بجائے اپریل سے ہوا کرتا تھا اس مہینے کو رومی لوگ اپنی وینس(Venus) کی طرف منسوب کرکے مقدس سمجھا کرتے تھے۔ اس لیے سال کی پہلی تاریخ اور دیوی کے تقدس کے ساتھ وابستہ ہونے کی وجہ سے اس دن خوشی ومسرت کا اظہار کیا کرتے تھے اور ہنسی مذاق بھی ان کی مسرت کا ایک حصہ تھا جو آہستہ آہستہ ترقی کرکے اپریل فول کی شکل اختیار کرگیا۔ اس رسم کی ایجاد کے تعلق سے ایک بات یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اس مسرت وخوشی کے دن لوگ ایک دوسرے کو تحفے وتحائف دیا کرتے تھے ایک مرتبہ کسی نے تحفہ کے نام پر مذاق کیا بعد میں دوسروں نے اس کو رسم کی شکل میں رواج دیا۔

ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ دراصل یہودیوں اور عیسائیوں کے نزدیک یکم اپریل کو رومیوں اور یہودیوں کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو استہزاء و مذاق کا مختلف انداز وشکل سے نشانہ بنایا جاتا، اس لیے اپریل فول کی رسم اس شرمناک واقعے کو یادگار کے طور پر منانے کے لیے اپریل فول کی رسم منائی جاتی ہے۔

غرض اس رسم کی ایجاد چاہے کسی دیوی کی طرف منسوب ہو یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا استہزاء و مذاق اس کی بنیاد ہو یا پھر توہم پرستی یا کسی گستاخانہ نظریے یا واقعے سے جڑا ہوا ہو، یہ بات یقین کے درجے میں کہی جاسکتی ہے کہ یہ عیسائیوں اور یہودیوں کی ایجاد ہے جو ہماری مشرقی تہذیب نے مغربیت کی تقلید میں بلاسوچے سمجھے اس کو اپنایا اگرچہ ہمارے مسلم معاشرے میں الحمدللہ اس کا چلن ورواج بہت عام نہیں، لیکن ہر سال دوچار واقعات کے ظہور سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اقوال رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آئینے میں، محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دم بھرنے والوں کو خود غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ”اپریل فول“ کی رسم ایک ’مذاق‘ ہے جو اپنایا جائے یا گناہ وجرم ہے جسے ترک کردیا جائے۔

❊ ❊ ❊

خوش خبری

مفتی اعظم عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ مفتی اوّل دارالعلوم دیوبند کے فتاویٰ کی بارہ جلد جن کو حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب نے مرتب کیا ہے، ایک مدت سے شائع ہورہی ہیں، ان بارہ جلدوں میں کتاب الطہارت سے کتاب اللقطہ تک کے مسائل ہیں، کتاب اللقطہ سے آگے ترتیب کا کام کافی دنوں سے موقوف تھا —— اب بحمد اللہ فتاویٰ دارالعلوم کی تیرہویں جلد شاندار طباعت، مضبوط جلد اور عمدہ کاغذ پر طبع ہوکر آچکی ہے جس میں شرکت و بٹوارہ، مضاربت اور وقف کے اہم مسائل ہیں، اس جلد کو حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند نے عمدہ ترتیب اور نئے اسلوب کے ساتھ مرتب فرمایا ہے۔ اور حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند نے از اوّل تا آخر اس کو بغور دیکھا ہے اس جلد کی تصحیح کا پورا اہتمام کیا گیا ہے۔ اور جو فتاویٰ عربی یا فارسی زبان میں تھے ان کا اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے اور غیر معروف الفاظ کی بین القوسین یا حاشیہ میں مختصر وضاحت کی گئی ہے تاکہ عام قارئین مفتی صاحب کے فتاویٰ سے کامل استفادہ کرسکیں، اور تمام فتاویٰ کو عناوین اور علامات ترقیم سے مزین کیا گیا ہے اور حسب ساخت حاشیہ میں حوالے درج کیے گئے ہیں۔

علاوہ ازیں اس جلد کی اور بھی خوبیاں ہیں جو دیکھنے اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعمل میں اضافہ فرمائے اور دارالعلوم دیوبند کے فیض کو عام وتام فرمائے۔

آمین یارب العالمین۔

تعداد فتاویٰ 902　　تعداد صفحات 544　　قیمت =/85

ملنے کا پتہ: مکتبہ دارالعلوم دیوبند